مسعود عالم ندوی رح

(سوانح و مکتوبات)

اختر راہی ایم-اے

مکتبہ ظفر ناشر قرآنی قطعات گجرات
محلہ فیض آباد - سرگودھا روڈ

★ مولانا مسعود عالم ندوی موضع اوگانواں ضلع پٹنہ صوبہ بہار (بھارت) میں سادات کے ایک خاندان میں تاریخ ۱۲ محرم ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۰ء پیدا ہوئے۔ قائد تحریک اسلامی محترم سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے ان میں سے بعض اپنے اپنے شعبۂ حیات میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک ندوی صاحبؒ تھے۔ جو تاریخِ اسلام اور عربی ادب و انشا میں درجۂ اسناد کے مالک تھے وہ زبردست محقق اور سخت قسم کے مُوحِد تھے۔ ندوی صاحبؒ کی قیادت و رہنمائی میں جالندھر میں دارالعروبہ کے نام سے عربی دارُالاِ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ ادارہ تا حال مسلسل کام کر رہا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں قادیانی ایجی ٹیشن کے ناکردہ گناہ کی پاداش میں حکومت نے ندوی صاحبؒ کو گرفتار کر لیا۔ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی میں ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو شام ۸ بجے کے قریب دمہ کا آخری دَورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہُوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۷ مارچ کی صبح دس بجے مفتی محمد شفیع صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دہلی کے پنجابی سوداگران کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیے گئے۔ مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔ ان کی مستقل آٹھ تالیفات ہی ان کا نام روشن رکھیں گی۔ ندوی صاحبؒ کی وفات سے صرف جماعتِ اسلامی کو ہی کافی نقصان نہیں پہنچا بلکہ یہ عالمِ اسلام کا ایک بڑا المیہ تھا۔ عالمِ عرب کے علمی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔

○ وفات پر محترم سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے لکھا: "مسعود عالم صاحبؒ کی وفات پر اس کے سوا کیا لکھوں کہ اس کے بعد سے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہُوا محسوس کرتا ہوں شاید جسم کے بازو ٹوٹنے کی بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی روح کے اس بازو کے ٹوٹ جانے سے محسوس ہو رہی ہے! اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور اپنے دین کے لیے ویسا ہی کوئی خادم پیدا کر دے۔ بظاہر تو یہ جگہ پُر ہونی مشکل ہے مگر اللہ کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے"۔

○ مفتیٔ اعظم فلسطین امین الحسینی صاحب نے کہا: "میں نے مرحوم کو جوان عمری ہی میں اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمۃ الحق کے جذبہ سے بھرپور پایا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں کما حقہ، جہاد کرتے ہُوئے جان، جاں آفرین کے سپرد کی"۔

○ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی صاحب (استاذِ ندویؒ) نے کہا: "جواں مردی، ہمت اور صبر و استقامت میں مسعود صاحبؒ ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے"۔

○ محمد محمود صواف صاحب نے کہا: "موصوف عالمِ باعمل اور داعیٔ مخلص تھے۔ سچے دل سے میدانِ عمل میں کود جانے والے سپاہی، محبت و شفقت سے بھرپور دل رکھنے والے دوست اور اہم پیچیدہ مسائل میں بہترین مُشیر تھے اُن سے مل کر میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں ایک مجسّم فضل و تقویٰ، علم و عمل اور صاحبِ فکر و نظر سے شرفِ ملاقات حاصل کر رہا ہوں اور ان کے ادب و تدیّن، فراستِ ایمانی اور دقتِ نظر کا سکہ میرے دل میں بیٹھتا ہے"۔

○ احمد مظہر العظمہ صاحب ایڈیٹر "التمدن الاسلامی" (دمشق) لکھتے ہیں: "اسلام ایک انسان میں کس قدر عظیم الشان انقلاب برپا کرتا اور اللہ کے لیے کام کرنے کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں دُور کر دیتا ہے۔ اس کی مثال اس زمانے میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم ہیں"۔

○ طٰہٰ فیاض صاحب ایڈیٹر روزنامہ "السجل" (بغداد) رقمطراز ہیں: "اس عظیم الشان اور جانکاہ حادثہ پر ہم پاکستانی قوم سے دلی ہمدردی کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ آج دعوتِ اسلامی کا اہم رکن ان کے ساتھ سے چھین گیا"۔

○ ندوی مرحوم کے دوست اور عالمِ اسلام کے بلند پایہ مفکر ابوالحسن علی ندوی نے لکھا: "مولانا مسعود صاحب نے دین کی خدمت کے سلسلہ میں خرابیٔ صحت اور علالت کے باوجود جو جدوجہد کی اور قید و بند کے مصائب اور صعوبتیں اٹھائی ہیں ان کے مقابلے میں میری سینکڑوں تحریریں اور تقریریں ہیچ ہیں"۔

★ امید ہے یہ کتاب جملہ حضرات کے لیے بالعموم اور تحریکِ اسلامی کے رفقا کے لیے بالخصوص سود مند ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥
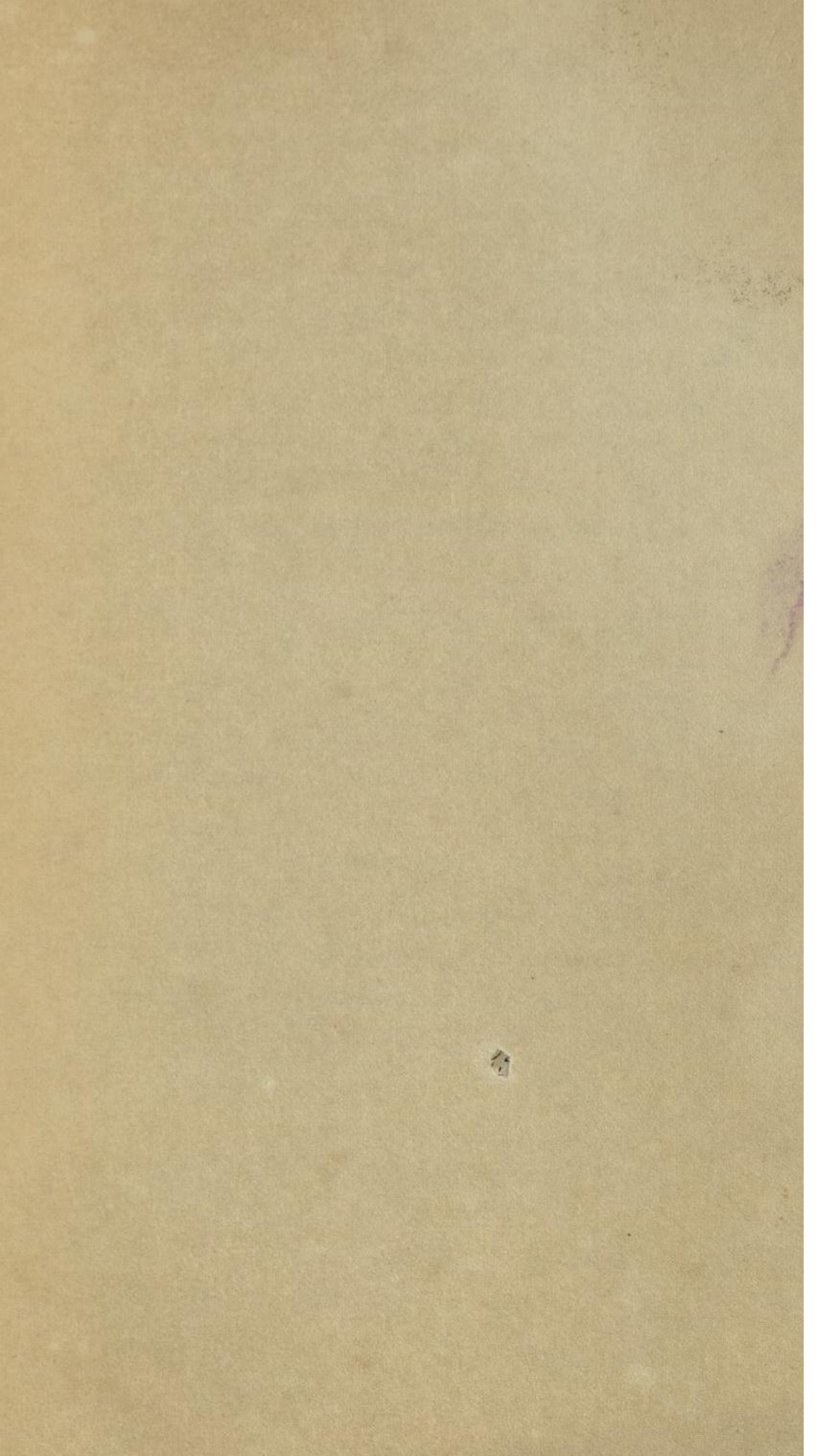
مسعود عالم ندوی

(سوانح و مکتوبات)

○

اختر راہی ایم اے

○

مکتبہ ظفر، ناشر قرآنی قطعات گجرات
محلہ فیض آباد۔ بالمقابل جامع مسجد، سرگودہا روڈ، پنجاب (پاکستان)

باراول: ۱۹۷۵ء
تعداد اشاعت: گیارہ سو (۱۱۰۰)
اہتمام: میاں سلطان احمد
طابع: مرزا بشیر احمد
مطبع: نفیس پرنٹرز۔ لاہور
طریقہ طباعت: آفسیٹ
مقامِ اشاعت: مکتبۂ ظفر، ناشر قرآنی قطعات، گجرات
محلہ فیض آباد۔ بالمقابل جامع مسجد سرگودہا روڈ
پنجاب (پاکستان)
ضخامت: ۱۰۳ صفحات ۱۸×۲۲/۸
قیمت: چھ روپے
خوشنویس: میاں سلطان احمد

فہرست

مکتوب الیہم

۱- محمد ناظم ندوی

۲- ابوالحسن علی ندوی

۳- سید سلیمان ندوی

۴- سید الطاف علی بریلوی

۵- وحید قیصر ندوی

۶- حکیم محمد نصیر الدین ندوی

۷- ضیاء محمد ضیاؔ

۸- حکیم محمد شمس الدین

۹- محمد نصر اللہ خاں

۱۰- طٰہٰ یٰس

۱۱- محمد حسنین سید

۱۲- عبد الماجد دریابادی

۱۳- رئیس احمد جعفری

۱۴- خورشید احمد

۱۵- عاصم الحداد

۱۶- فضل معبود قریشی

انتساب

اُن نوجوانوں کے نام

—— جو اسلامی نظامِ حیات کے احیاء

کے لیے کوشاں ہیں۔

(اختر راہی ایم اے)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۝

حرفے چند

جماعت اسلامی پاکستان کو قائم ہوئے ایک تہائی صدی بیت چکی ہے۔ اس عرصے میں جماعت کے متقدمین میں سے بہت سے حضرات اپنا فریضۂ حیات انجام دے کر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ مرحومین نے اپنی صلاحیتوں سے تحریک کو آگے بڑھایا۔ اس راہ کی مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اگر جان کی بازی لگانا پڑی تو اس سے بھی دریغ نہ کیا۔ یہ اُن کی پُرخلوص کوششوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ ۷۵ افراد سے بننے والی جماعت آج کروڑوں انسانوں کی زندگی کا دھارا بدل چکی ہے۔ اتنا بڑا اخلاقی انقلاب قائدِ تحریک سیّد مودودی اور ان کے رفقاء کی لگن اور خلوصِ نیّت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قائدِ تحریک کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے وہ اپنے اپنے شعبۂ حیات میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن میں سے ایک مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم تھے جو تاریخِ اسلام اور عربی ادب و انشاء میں درجۂ استناد کے مالک تھے اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس بارے میں

ع مُستند ہے ان کا فرمایا ہُوا

آئندہ اوراق میں مولانا مرحوم کی زندگی پر قلم اٹھایا گیا ہے اور اُن کے چونتیس (۳۴) مکتوبات مع تعلیقات و حواشی درج ہیں۔ ان مکتوبات میں مولانا کی علمی شخصیت، ان کی سیرت و کردار، اندازِ فکر اور تاریخ کے کئی گوشے اجاگر ہیں۔ راقم نے مکتوبات کی فراہمی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ مگر کچھ زیادہ تعداد اس لیے فراہم نہ ہو سکی کہ مولانا کے احباب میں سے ایک بڑی تعداد بھارت میں مقیم ہے اور موجودہ حالات میں اُن سے رابطہ ناممکن ہے۔ پاکستان میں مولانا کے احباب و رفقاء اور شاگردوں سے خط و کتابت کی۔ بعض نے سرے سے جواب دینے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔ تاہم اکثریت نے جواب مرحمت فرمائے۔ ان افراد نے مولانا کے بارے اپنے تاثرات پیش کیے اور ماضی کی یادیں تازہ کی ہیں۔ ایسے بیسیوں خطوط میں سے صرف ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب

(صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد) کے خط کا اقتباس درج کرتا ہوں۔

"مولانا مسعود عالم ندوی صاحب سے میری ملاقات خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ میں پہلی نومبر ۱۹۳۹ء کو پٹنہ گیا تھا۔ ایک ہفتہ تک خدا بخش لائبریری میں مخطوطات کا مطالعہ کیا۔ مسعود عالم صاحب اس کتب خانے میں ناظم تھے۔ وہ رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی مرحوم بھی اُن دنوں وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا مسعود عالم صاحب نے اُن کی اور میری دعوتِ افطار کی اور دیر تک علمی گفتگو رہی۔ وہ زبردست محقّق اور سخت قسم کے مُوحّد تھے۔ نہایت صاف ستھرا مذاق تھا۔ ظرافت اور بذلہ سنجی ان کا مزاج تھا۔ دمہ کے مریض ہونے کے باوجود سخت محنت اور جفاکشی کے عادی تھے۔ عربی ادب ان کا خاص موضوع تھا۔ تاریخ میں بھی بڑی دلچسپی تھی اور یہ چیز علمی تحقیق کی وجہ سے ان کے لیے اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی تھی۔ بعد میں جماعت اسلامی میں خصوصی حصہ لیا۔ حق گوئی اور بے باکی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ جسمانی لحاظ سے نحیف اور کمزور تھے لیکن بڑی ہمت اور حوصلے کے مالک تھے۔ یقیناً ان کا شمار علمائے حق میں ہوگا۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔"

مکتوبات کی فراہمی میں جن احباب نے تعاون کیا ہے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بعض مکتوبات فاران، چراغ راہ، نقوش اور صدق جدید سے حاصل کیے ہیں۔ ان رسائل کے مدیرانِ کرام نے مکتوبات نقل کرنے کی اجازت جس فراخ دلی سے دی اس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ آخر میں مکرّمی مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری درخواست پر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مولانا مسعود عالم مرحوم کے بارے میں طویل مضمون لکھا جو کتاب کی زینت ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ دورانِ مطالعہ میں جو خامیاں محسوس فرمائیں۔ اس کی اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ نیز مولانا مرحوم کے مزید مکتوبات مہیا فرمائیں تاکہ نقش ثانی مزید بہتر ہو سکے۔

نو بستر شرفو (واہ کینٹ) — اختر راہی ۱۲-۲-۷۴

دوست کی یاد

(مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی مؤلف "تقویم تاریخی")

حمد و ثنا اس خدائے حیّ لایموت کی، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور درود و سلام اُس خاتم النبیین پر جس کی زندگی قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی اور اُن سب پر جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور جو آئندہ اتباع کریں گے۔

جناب اختر راہی صاحب نے جب مولانا سید مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم کے چند مکاتیب کو تلاش و تفحص کے بعد جمع کر لیا اور ان کے طبع کرنے کا ارادہ فرمایا تو شاید اس وجہ سے کہ میں مسعود مرحوم کا پرانا ساتھی اور دوست ہوں۔ مجھ سے اس مجموعہ مکاتیب پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی۔ میں اس دلی تعلق کی بنا پر جو ہم دونوں دوستوں کے مابین تقریباً ۲۸ سال تک رہا ہے اس فرمائش کی تعمیل سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگرچہ یہ غمناک یاد ہے۔ لیکن بہرحال ایک دوست کی یاد ہے۔ مسعود عالم مرحوم کا ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو بعد مغرب پیر الٰہی بخش کالونی میں انتقال ہوا تھا۔ وہ جب کراچی جاتے تھے تو ایک بار نہیں بلکہ کئی بار میرے گھر آتے اور دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے اس آخری دن میں بھی وہ صبح گیارہ بجے کے قریب میرے گھر ۲۸/۴ بہار کالونی کراچی آئے اور بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ استاد مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی ہمارے اُستاد تھے اور ان کی وفات پر ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے۔ استاد مرحوم کی وفات ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ہوئی تھی۔ اس دن ہماری گفتگو کا بڑا حصہ استاد کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں پر مشتمل تھا۔ سید صاحب مرحوم ہم سب شاگردوں میں غالباً سب سے زیادہ مسعود مرحوم ہی کو عزیز رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں بھی اپنے استاد کے ساتھ بڑی وابستگی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ ابھی چند گھنٹوں کے بعد یہ عزیز شاگرد اپنے استاد سے جا ملے گا اور ہماری یہ ملاقات اس دنیاوی زندگی میں آخری ملاقات ہو جائے گی۔

مرنا سب ہی کو ہے اور جب احمد مرسل نہ رہے۔ کون رہے گا؟ مسعود مرحوم مجھ سے

صرف تین سال بڑے تھے۔ ابھی کوئی بڑی عمر نہیں ہوئی تھی۔ کہنے کو ابھی جوان ہی کہے جاتے تھے لیکن سچ یہی ہے کہ

ع اک گھڑی بھر بھی نہ ٹھہرا جس کا وعدہ آگیا

ان کی صحت بچپن ہی سے خراب تھی۔ ضیق النفس کی شکایت ان کو عہدِ طالب علمی ہی سے لاحق تھی اور یہی مرض ان کی وفات کا سبب بنا۔

مسعود عالم مرحوم میرے ہم سبق بھی تھے اور ہم وطن بھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کا زمانہ ہم دونوں نے ایک ہی دارالاقامہ —— شبلی ہوٹل میں بسر کیا تھا۔ انہوں نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ندوہ میں داخلہ لیا تھا اور میں بھی مدرسہ عالیہ مئو ضلع اعظم گڑھ میں درس نظامیہ کی تکمیل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوا تھا۔ ہم لوگ ایک ہی درجے میں پڑھتے اور بڑے میل محبت کے ساتھ ہوسٹل میں رہا کرتے تھے۔ ۱۹۲۹ء کے اواخر میں ہم نے ندوۃ العلماء کا آخری امتحان فاضل ایک ہی ساتھ پاس کیا اس کے بعد بھی ہماری دوستی قائم رہی۔ بار بار ملنے کے مواقع پیدا ہوتے رہے۔ میں جب حیدرآباد دکن میں تھا تو مولانا سید ہاشم ندوی ناظم دائرۃ المعارف العثمانیہ کے بلاوے پر وہ حیدرآباد بھی آئے تھے اور میرے ساتھ ہی قیام پذیر ہوئے تھے۔ اس طرح میں کئی بار صرف ان کی ملاقات کے لیے پٹنہ گیا اور ان سے ملا۔

۱۹۴۷ء کے بعد تو میں مستقل طور پر کراچی میں متوطن ہو گیا اور وہ جب کبھی کراچی آتے مجھ سے بار بار ملتے۔ کراچی میں عزیز دوست جناب حکیم محمد نصیرالدین ندوی کا نظامی دواخانہ۔ فریئر روڈ پر ہماری بیٹھک تھی۔ مسعود عالم مرحوم اکثر ان ہی کے مہمان ہوتے اور اگر کہیں اور بھی قیام ہوتا تو وہاں آکر اکثر بیٹھتے اور گھنٹوں محفل گرم رہتی۔

سید مسعود عالم میرے ہم وطن بھی تھے۔ میرا قدیم وطن مخدوم پور تھا اور ان کا قدیم وطن "اوگانواں" اور یہ دونوں گاؤں چند میل کے فاصلے پر صوبہ بہار میں واقع ہیں۔ اس جگہ سادات کے کئی گاؤں قریب قریب آباد تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کا وطن گیلانی، صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کا وطن ڈیانواں، علامہ سید سلیمان ندوی کا وطن دلیسنہ اور مولانا عبدالغنی مشہور مصنف و مترجم کا وطن استھانواں، یہ سب دیہات اسی علاقے میں ہیں۔

صوبہ بہار جس چھوٹے سے شہر بہار شریف کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر بھی وہیں

ہے۔ میں تو پچھلے ۴۰ سال سے کبھی وہاں نہیں گیا۔ لیکن سنا ہے کہ بہار شریف اب ایک لاکھ سے زیادہ آبادی کا بڑا شہر ہو گیا ہے۔ پہلے اس کی آبادی پچاس پچپن ہزار کے قریب تھی۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے۔ شہر پٹنہ صوبہ بہار کا صدر مقام اس سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ بہار شریف صوبہ کا صدر مقام تو غالباً کبھی نہیں رہا لیکن سارے صوبہ کا نام اسی شہر کے نام پر مشہور ہے۔

پہلے اس جگہ اودند پور کے نام سے ایک گاؤں تھا۔ گرد و پیش کے مناظر دلفریب ہیں۔ راجگیر کی سرسبز پہاڑیاں اور ان پر ابلتے ہوئے گرم و سرد چشمے قریب واقع ہیں۔ غالباً ان ہی دلفریبیوں کی وجہ سے بدھ مت کے عالموں نے یہاں ایک خانقاہ تعلیم و تربیت کے لیے قائم کی۔ پالی زبان اس زمانہ کی عام زبان تھی جو مہاتما بدھ کی تقریروں میں استعمال ہو کر بدھ مت کی مقدس زبان بن چکی تھی۔ پالی زبان میں تعلیم گاہ کو "ویہارا" کہتے ہیں۔ یہی لفظ "ویہارا" بعد کے سنسکرتی دور میں "ودھیالہ" ہو گیا ہے۔

اودند پور کے اس ویہارا نے بڑی شہرت پائی۔ زمانہ ما بعد میں قدیم ہندوستان کی تاریخی درسگاہ نالندہ بھی یہیں قائم ہوئی۔ سنا ہے کہ اب نالندہ کے کھنڈروں پر ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی گئی ہے اور اس کا نام نالندہ یونیورسٹی رکھا گیا ہے۔ غرض یہ کہ یہی ویہارا کثرتِ استعمال سے بہار بن گیا اور اس جگہ کی آبادی کے لیے نام قرار پایا اور جب حضرت مخدوم بہار مولانا شرف الدین احمد بن یحییٰ بن اسرائیل بن الشیخ تاج الدین محمد الفقیہ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو اپنی قیام گاہ قرار دیا تو یہ شہر بہار شریف کہلانے لگا۔ حضرت مخدوم بہار شرف الدین کی وفات ۷۸۲ھ میں اسی شہر بہار میں ہوئی۔ یہیں آپ کا مزار پر انوار ہے اور ہر سال ۶ شوال کو عرس کا بڑا عظیم میلہ ہوا کرتا ہے۔

اسلامی دور میں مسلمانوں کے فاتحانہ قدم تو صوبہ بہار میں مشہور خلجی سپہ سالار بختیار کے ساتھ ۶۰۲ھ میں آئے۔ لیکن مسلمان علماء و سادات تبلیغی مہمات کے سلسلہ میں اس سے بہت پہلے ہی اس جگہ آ کر بعض بعض دیہات میں اپنی مسندیں بچھا چکے تھے۔ اور ان کی جگہ سے بہار کے گرد و نواح میں چھوٹی چھوٹی مسلمان آبادیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ خلجی کی فاتحانہ یلغار کے بعد عراق، عرب اور افغانستان سے آ کر بسنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔

سادات کے مختلف خانوادے مختلف زمانوں میں یہاں آئے اور یہیں آباد ہو گئے ان ہی بعد کے آنے والے خاندانوں میں شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث کا خاندان بھی تھا جو چیواڑہ اور سورج گڑھ کے علاقوں میں آباد ہے۔ ان ہی میں سید محمد قمیصی قادری کا خاندان

بسے جو انجھر اور پیر بگہ میں آباد ہے اور ان ہی کے بعد آنے والے خانوادوں میں سے ایک سید مسعود عالم مرحوم کا خاندان بھی ہے۔ اس خاندان میں اسلامی علوم کا چرچا قدیم زمانے ہی سے رہا ہے۔ مسعود مرحوم کے والد بزرگوار مولانا سید عبد الشکور صاحب مرحوم ایک بڑے عالم، نامور مدرس اور دار العلوم مئو کے صدر معلّم تھے۔

اللہ تعالیٰ مسعود عالم مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ وہ ایک دیندار، فاضل اور سنجیدہ مزاج آدمی تھے۔ وہ بڑے مخلص دوست تھے ہماری دوستی اتنی طویل مدت تک ان سے رہی کہ اس مدت میں انسان کی زندگی کا کوئی پہلو کسی دوست سے مخفی نہیں رہتا۔ میں اپنے علم و یقین کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاص اور حسنِ اخلاق کے اعتبار سے بڑی امتیازی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جس پر پوری طرح اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ دورنگی اور سخن سازی کا عیب ان میں بالکل نہ تھا۔ خوشامد، چاپلوسی اور مصلحت کوشی سے وہ کوسوں دُور تھے۔ وہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے بہت ہی غور و فکر کے بعد دیتے تھے اور جب رائے دیتے تو اخلاص و صداقت کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر دیتے۔ میں ہی نہیں بلکہ ہمارے سارے ہی دوست ان کی دین سے وابستگی، سنجیدگی اور علمی صلاحیت کے معترف تھے۔

ان کو عربی زبان و ادب سے خصوصی لگاؤ تھا اور یہ لگاؤ ان کو زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا۔ انہوں نے زمانۂ تعلیم ہی میں عربی انشا پردازی شروع کر دی تھی اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے کے بعد تو انہوں نے عربی تحریریں لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ دار العلوم سے وہ کچھ دنوں تک عربی رسالہ "الضیاء" نکالا کرتے تھے اور اس کے بعد عربی میں کئی رسالے اور کتابیں لکھیں۔ اسی طرح انہوں نے بعض رسالوں کے عربی ترجمے بھی کیے۔ یہ رسالے اور مقالات عربی بولنے والوں اور لکھنے والوں میں مقبول بھی ہوئے۔

یہ جو مجموعۂ مکاتیب آپ کے سامنے ہے۔ اس میں ان کے چند خطوط ہیں جو انہوں نے استاد مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی، بزرگ محترم مولانا عبد الماجد دریابادی مدظلہ اور اپنے فاضل دوستوں مثلاً مولانا سید ناظم ندوی وغیرہ کو مختلف وقتوں میں لکھے تھے۔ ان میں کوئی خط میرے نام کا نہیں ہے۔ کچھ خطوط میرے پاس بھی تھے لیکن افسوس ہے کہ ۳ جولائی ۱۹۵۹ء کو جو کراچی میں سیلاب آیا تھا۔ اس میں میرے اور بہت سے کاغذات کے ساتھ وہ بھی ضائع ہو گئے۔

نجی خطوط کے پڑنے پڑانے سے ان کی اصلی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خط لکھنے کے وقت کاتب کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ خطوط کبھی چھپ کر شائع بھی ہوں گے۔ اگر اس خیال سے خطوط لکھے جائیں تو اُن میں تصنع اور بناوٹ کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ کو بعض مشاہیر کے فرضی خطوط میں نظر آتا ہے۔ اس لیے ایسے خطوط جسے لکھنے والے نے اشاعت کے لیے نہیں لکھا تھا، حقیقی افکار و خیالات کے حامل ہوتے ہیں۔

جناب اختر راہی صاحب نے یہ اچھا ہی کیا کہ سید مسعود عالم ندوی مرحوم کے یہ چند خطوط مہیا کر کے شائع کر دیے۔ یہ نجی خطوط آئندہ آنے والی نسلوں کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ تو بتا ہی سکیں گے۔

ع جو چھپ گئے اب، اُن کے یہ کچھ نقش ہیں باقی

عبدالقدوس ہاشمی

اسلام آباد ــــــ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ

۵ فروری ۱۹۷۴ء

مسعود عالم ندوی
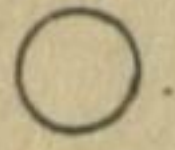
○

"مسعود[1] عالم صاحب کی وفات پر اس کے سوا کیا لکھوں کہ اس کے بعد سے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ شاید جسم کے بازو ٹوٹنے کی بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ جتنی روح کے اس بازو کے ٹوٹ جانے سے محسوس ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور اپنے دین کے لیے ویسا ہی کوئی خادم پیدا کر دے۔ بظاہر تو یہ جگہ پُر ہونی مشکل ہے مگر اللہ کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔"

سیّد مودودی

○

[1] مولانا مسعود عالم مرحوم کے شاگردِ رشید مولانا عاصم الحداد کے نام سیّد مودودی کا خط "چراغِ راہ" "مسعود عالم" نمبر میں شائع ہوا تھا۔

وطن و خاندان

بہار شریف[1] کے مشرق میں سادات کی بہت سی چھوٹی بڑی بستیاں ہیں۔ ان میں سے ایک "اوگانواں" ہے۔ مولانا مسعود عالم اس بستی میں ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۰ء کو سادات کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان شرافت و نجابت اور علمی وجاہت کے اعتبار سے دور و نزدیک خاصا مشہور تھا۔ ان کے والد حکیم مولانا عبدالشکور صاحب کا شمار بہار کے چند بلند پایہ علماء میں ہوتا تھا۔ ایک عرصہ مئو (اعظم گڑھ) کے ایک دینی مدرسہ کے صدر مدرس رہے۔ آخری عمر میں بہار شریف کے "مدرسہ اسلامیہ" میں یہی فریضہ انجام دیتے تھے۔

مولانا مسعود عالم کے دادا سید خدا بخش صاحب اپنے وقت کے اچھے عالم تھے اور جذبۂ تبلیغ و اشاعتِ دین کی غرض سے گرد و نواح کی بستیوں میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے بہار شریف کے گرد و نواح میں دین کا خاصا چرچا تھا۔ دادا اور والد دونوں مسلکاً اہلِ حدیث تھے۔

مولانا کے ننھیال میں بھی علمی روایت قائم تھی۔ ان کے نانا مولانا عبدالصمد اوگانوی (م ۱۳۱۸ھ) اور ایک دوسرے عزیز مولانا وحید الحق استھانوی (م ۱۳۱۵ھ) دینی جوش اور قومی جذبات سے سرشار تھے۔ ان کے علاوہ ننھیالی خاندان میں کئی دوسرے سربرآوردہ اہلِ علم کا ذکر ملتا ہے[2]۔

مولانا مسعود عالم کی ولادت سے پہلے ان کے پانچ بھائیوں کا انتقال ہو چکا تھا ولادت کے وقت ان کے ایک بڑے بھائی اور ایک بہن تھیں۔ اٹھارہ برس کی عمر میں بڑے بھائی اللہ سے جا ملے اور بہن جو مولانا سے صرف دو سال بڑی تھیں دو بچیاں پیچھے چھوڑ کر انتقال کر گئیں۔

تعلیم و تربیت شعور کی آنکھ کھولتے ہی والد ماجد سے مروّجہ دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ قرآن مجید اور فارسی زبان میں گلستاں بوستاں پڑھتے رہے۔

---

[1] ضلع پٹنہ کا ایک گاؤں [2] ملاحظہ ہو، محاسن سجاد ص ۶۶۔

گاؤں کی رہائش کی وجہ سے کسی سکول میں داخل ہونے کی نوبت نہ آئی۔ حتیٰ کہ چند سال بعد خاندان بہار شریف منتقل ہو گیا اور اس طرح ہائی سکول بہار شریف میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تحریکِ خلافت اور عدمِ تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ ان تحریکوں میں علماء پیش پیش تھے۔ انگریزی حکومت سے تعاون ازروئے شریعت حرام قرار دے دیا گیا تو مولانا کے والد ماجد نے انہیں "ہائی سکول" سے نکال کر "مدرسہ عزیزیہ" میں داخل کرا دیا۔ اس مدرسہ سے انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں صوبہ بہار کے سب سے بڑے مدرسہ "شمس الہدیٰ" پٹنہ میں چلے گئے اور یہاں خداداد صلاحیتوں اور شب و روز کی محنت سے اپنا مقام پیدا کر لیا۔ مدرسہ میں آنے والے عربی اخبارات و رسائل ان کی نگاہِ شوق میں ایسے بچے کہ عربی زبان وادب سے دلی تعلق پیدا ہو گیا اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ تعلق بڑھتا گیا۔

مدرسہ شمس الہدیٰ میں زیرِ تعلیم تھے کہ والدہ ماجدہ کی رحلت کا جانکاہ صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یہ ان کی زندگی کا سب سے پہلا اور سخت ترین صدمہ تھا جس کا تذکرہ مولانا اکثر اپنے قریبی دوستوں اور شاگردوں سے کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس زمانے میں اس غم و اندوہ سے بچنے کے لیے سارا سارا دن قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ اس دور میں دمہ کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے۔ مولانا کی والدہ ماجدہ بھی اس مرض میں مبتلا تھیں اور دمہ موروثی طور پر اولاد کو لاحق ہوتا ہے۔

مدرسہ شمس الہدیٰ کے علاوہ ایک دو ماہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے مدرسہ امینیہ دہلی میں گزارے مگر ان کا ذوقِ عربیت اس قدر ترقی پا چکا تھا کہ مدرسہ امینیہ کی فضا پسند نہ آئی اور واپس وطن چلے گئے۔

ندوۃ العلماء میں داخلہ

اکتوبر ۱۹۲۷ء میں مصر کے کچھ عربی رسائل نظر سے گزرے اور ایک دوست کی عنایت سے "الہلال" (مصر) کی متعدد جلدیں مل گئیں مولانا نے ان کا خوب مطالعہ کیا۔ اُن دنوں میں الہلال میں طٰہٰ حسین مرحوم کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان مضامین سے متاثر ہوئے اور مصر جا کر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔[1] اس زمانے میں سید سلیمان ندویؒ کو عربی میں ایک خط لکھا۔ جس کی انشا کمزور، عبارت بے جوڑ اور زبان اگرچہ ناقص تھی۔ لیکن لکھنے والے کا شوق اور

---

[1] معارف "سلیمان نمبر" ص ۱۳۵

ولولہ ایک ایک جملے سے پھوٹا پڑتا تھا۔ اس خط میں مکتوب نگار نے عربی زبان وادب سے اپنے انتہائی شغف کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ مدرسہ عزیزیہ اور مدرسہ شمس الہدیٰ سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے مگر عربی ادب و انشاء کی تکمیل کے لیے بلادِ عرب کی کسی موزوں درس گاہ میں داخلہ لینے کی خواہش موجود تھی اور سید صاحب سے یہی دریافت کیا تھا کہ ادب و انشا کی پیاس بجھانے کے لیے کس دانش کدے کا انتخاب کیا جائے۔

سید صاحب کی نگاہِ جوہر شناس نے پہچان لیا کہ مکتوب نگار کوئی معمولی نوجوان نہیں بلکہ ایک باصلاحیت اور ہونہار طالب علم ہے۔ سید صاحب نے اپنے جواب میں مصر اور بلادِ عرب کی مشہور یونیورسٹیوں کے حالات و کوائف لکھے اور ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ بلادِ عرب کا رخ کرنے کے بجائے ندوۃ العلماء کی علم پرور فضا میں چند سال گزار لیں۔

یکم جولائی ۱۹۲۸ء کو لکھنؤ پہنچے اور دار العلوم کی آٹھویں جماعت (جو اُس وقت دار العلوم کی آخری جماعت ہوتی تھی) میں داخلہ لیا۔ سید صاحب نے علمی شوق اور سقیم مالی حالت کے پیش نظر وظیفہ مقرر کرا دیا۔ یہاں مولانا مرحوم کو ندوہ کے کتب خانے اور دار المطالعے میں عربی کی قدیم وجدید کتابوں اور رسائل و جرائد کا وہ گنج بے بہا میسر آیا جس کی تمنا میں بلادِ عرب جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مولانا نے اس دانش کدے سے علم وادب کی خوب خوب پیاس بجھائی اور ملک سے باہر جانے کی ضرورت نہ رہی۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں سالانہ امتحان ہوا اور مولانا اپنی جماعت میں اول آئے۔ دار العلوم سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود علمی فضا اس قدر پسند آئی کہ دو سال مزید ٹھہرنے کا پروگرام بنا لیا اور اس مدت کے اختتام پر عربی زبان میں Thesis بعنوان "تاثیر الاسلام فی الشعر العربی" "عربی شاعری پر اسلام کا اثر" لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند لی۔

۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی صاحب ندوۃ العلماء میں عربی ادب و انشاء کی تعلیم دینے کے لیے آئے۔ موصوف عربی زبان و بیان میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ مولانا مسعود عالم نے ڈاکٹر ہلالی سے بھرپور استفادہ کیا۔ ڈاکٹر ہلالی لکھتے ہیں:

> "مسعود عالم اکثر اوقات میرے ساتھ ہی رہتے تھے۔ جب موقع ملتا۔ میرے ہاں آموجود ہوتے۔ کبھی کسی موضوع کے متعلق سوال کرتے اور کبھی کسی موضوع کے متعلق۔ عربی میں بولنے کی مشق کے خیال سے مختلف مسائل پر مجھ سے بحث بھی کرتے تھے"[1]

---

[1] چراغِ راہ۔ مولانا مسعود عالم نمبر ۶

اس زمانے میں مولانا نے کتاب الاغانی، صبح الاعشیٰ اور نہایۃ الارب جیسی ضخیم کتابوں کا باضابطہ مطالعہ کیا۔ دیوان نابغہ ہلالی صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

دار العلوم کے دوران قیام میں سید صاحب سے تعلق خاطر تھا مگر باضابطہ شاگردی کا موقع ۱۹۳۴ء میں ملا۔ ۱۹۳۴ء کے آغاز میں دار المصنفین (اعظم گڑھ) میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ گزارا۔ مولانا محمد ناظم صاحب (سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور) اور مولانا ابو اللیث ندوی (امیر جماعت اسلامی ہند) بھی ساتھ تھے۔ تینوں دوست سید صاحب سے قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیتے تھے۔[۱]

جدید تعلیم

دار العلوم سے آخری سند حاصل کرنے کے بعد انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان دیا تھا جس میں وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ بعد میں انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا اور ایف اے کی تیاری مکمل کر لی تھی مگر امتحان دینے سے چند ماہ پہلے ان کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور کالج و یونیورسٹی کی اسناد کے بارے میں ان کی رائے بدل گئی۔ انہیں یہ سندات بے کار معلوم ہونے لگیں۔ چنانچہ امتحان میں بیٹھنے میں چند ہفتے رہ گئے تھے مگر وہ مذبذب تھے۔ ایک دن انہوں نے معروف طریقہ پر دعائے استخارہ کی۔ تذبذب دُور ہو گیا اور امتحان میں نہ بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم انگریزی کتب، اخبارات اور رسائل کا باضابطہ مطالعہ جاری رکھا۔

"الضیاء" کی ادارت

ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی کی ندوۃ العلماء میں آمد کے بعد سید صاحب کی رائے ہوئی کہ ندوہ سے دار العلوم کے طلبہ کی عربی مشق کے لیے ایک ماہنامہ جاری کیا جائے۔ کسی عربی رسالے کا جاری ہونا اور اس میں طلبہ کا لکھنا ہندوستان کے عربی مدارس کے نزدیک ایک بدعت سے کم نہ تھا۔ تاہم ڈاکٹر ہلالی کے زیر نگرانی رسالہ جاری کر دیا گیا اور مولانا مسعود عالم کو ادارت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

"الضیاء" کا پہلا شمارہ مولانا کے زیر ادارت محرم ۱۳۵۱ھ / مئی ۱۹۳۲ء کو اشاعت پذیر ہُوا۔ پرچہ میانہ تقطیع کے چالیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے لکھنے والوں میں مدیر کے علاوہ ڈاکٹر ہلالی، سید سلیمان ندوی، علی میاں اور محمد ناظم ندوی تھے۔

دو سال تک رسالہ ڈاکٹر ہلالی کے زیر نگرانی چلتا رہا لیکن ان کے عراق واپس چلے جانے پر تمام ذمہ داری مولانا کے کندھے پر ڈال دی گئی۔ بقول ڈاکٹر ہلالی "ان کے جانے کے دو سال بعد تک

---

[۱] معارف۔ سلیمان نمبر ص: ۱۰

رسالہ پوری شان سے جاری رہا اور اس کی فصاحت و بلاغت، حسنِ ترتیب اور دوسری خوبیوں میں ذرا کمی نہ آئی۔ یہ رسالہ عربی کے تمام رسائل و جرائد کے نزدیک حد درجہ مقبول ہوا۔ پرچہ اگرچہ لیتھو پر چھپتا تھا جو عرب قارئین کے مذاق کے خلاف اور ان کی نگاہوں پر بار ہوتا تھا لیکن صحتِ زبان حسنِ انشا اور بلندیٔ مضامین کی وجہ سے عالمِ عرب کے سنجیدہ علمی و ادبی حلقوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا

عربی ادب و انشا کے نکتہ رس عالم امین ناصر الدین — جو محقق اور لغوی ہونے کی وجہ سے بہت سخت گیر مشہور تھے: الضیاء کو دیکھ کر پکار اٹھے۔

"عربوں کے لیے مقامِ غیرت ہے کہ ان کے اکثر و بیشتر رسالوں سے اس عجمی ملک کے رسالے کی زبان بہتر اور برتر ہے۔ ربِّ کعبہ کی قسم! یہ کیسے تعجب کا مقام ہے کہ کتاب الٰہی کی زبان اپنے وطن سے زیادہ ایک عجمی ملک میں پُرشوکت و باوقار ہے۔"

شام کے مشہور پادری اور عربی زبان کے ادیب و نقّاد القتاش الکرملی نے مولانا مسعود عالم کی عربیت کے اعتراف میں لکھا۔

"گو آپ ابھی کم سن ہیں مگر میں آپ کو عربی زبان کا علّامہ اور محقق سمجھتا ہوں۔"

"الضیاء کے ذریعے مولانا مسعود عالم کے روابط اندرون و بیرونِ ملک اہم علمی و ادبی شخصیات سے استوار ہوئے۔ بیرونِ ملک علامہ شکیب ارسلان، سید رشید رضا، محب الدین الخطیب اور اندرونِ ملک علامہ اقبال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ علامہ اقبالؒ "الضیاء" کے ذریعے سے مولانا سے متعارف ہوئے اور بعد ازاں دونوں حضرات کے درمیان علمی خط و کتابت ہوتی رہی۔ "اقبال نامہؒ" میں اس سلسلے کے چند مکتوبات شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے انہیں مخلصی، مخدومی، جناب مولانا اور ڈیر مولانا کے القابات سے مخاطب کیا ہے۔

"الضیاء" کے دورِ ادارت میں عالمِ عرب کے مشہور اصلاحی مجلّہ "الفتح"[1] کے لیے

---

[1] علامہ مرحوم کے مکتوبات کا مجموعہ۔ [2] ہفتہ وار جریدہ "الفتح" محب الدین الخطیب کے زیرِ ادارت چھپتا تھا اور اس کے حلقے میں نوجوانوں کی بڑی تعداد نے تربیت پائی اور اپنے وقت کے بالغ نظر ادیب و عالم بن کر چمکے۔ مصطفٰے السباعی مرحوم (دمشق)، عمر بہاء الامیری (حلب)، عبد القہار مذکر (انڈونیشیا)، محمد مکین (چین) نے "الفتح" ہی میں قلم پکڑنا سیکھا۔ اخوان المسلمون کے بانی حسن البناء شہید بھی "الفتح" اور اس کے ایڈیٹر کے خوشہ چین رہے ہیں۔ مولانا مسعود عالم بھی "الفتح" کے مقبول قلم کاروں میں سے تھے۔

"حاضر مسلمی الہند وغابرہم" کے نام سے برصغیر میں مسلمانوں کی تاریخ عربی زبان میں لکھنا شروع کی جو "الفتح" میں بالاقساط شائع ہوتی رہی۔

تدریسِ تاریخ وادب

"الضیاء" چار سال تک علم وادب کی خدمت بجالانے کے بعد بند ہوگیا۔ اور مولانا مسعود عالم ندوۃ العلماء میں تاریخ وادب کے مدرس ہوگئے۔

"مدینہ" بجنور سے تعلق

مولانا مسعود عالم، ندوہ میں اعتدال، مذہبی رواداری اور طریقۂ تعلیم میں مفید اصلاحات کے حامی تھے۔ حقیقت میں ندوہ کے قیام کی غرض وغایت بھی میانہ روی اور دین ودنیا کا امتزاج تھا لیکن کچھ عرصہ سے ندوہ کے نظم ونسق کے ذمہ دار ایسے لوگ تھے جو طلبہ پر اپنا علمی رعب نہ رکھنے کے باوجود نظم ونسق میں من مانی کارروائیاں کرتے تھے اور ان کی سعی وجہد ندوہ کو دیوبند جیسا مذہبی مدرسہ بنانے کے لیے وقف تھی۔ منتظمین اور مدرسہ کے مدرسین وطلبہ کے درمیان اصولِ تعلیم اور ندوہ کے مقاصد سے انحراف کی بنا پر سرد جنگ جاری تھی کہ مئی ۱۹۳۵ء میں طلبہ نے سٹرائک کر دی۔ بات بظاہر معمولی تھی بڑھ گئی۔ سید سلیمان ندوی نے طلبہ کو سمجھانے بجھانے کی بڑی کوشش کی مگر نوجوان اور پرجوش طلبہ نے ایک نہ سنی۔ سٹرائک ناکام رہی اور جولائی ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم ندوہ کھلتے ہی کمزور اور غیر مستقل مزاج طلبہ معافیاں داخل کرنے لگے۔ چھ طالب علم (جن پر قیادت کا الزام تھا) خارج کیے گیے۔ ان میں مولانا مسعود عالم بھی شامل تھے۔ گو ان کی حیثیت عام طالب علم کی نہ تھی۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ وہ مجلسِ عمل کے رکن تھے۔ تاہم اُن کے باب میں سٹاف کی رائے مختلف ہوگئی اور اس اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سید صاحب نے اُن کا اخراج منسوخ کرا دیا اور صرف دارالعلوم سے باہر رہائش اختیار کرنے کی شرط عائد کر دی۔

تقریباً ڈیڑھ سال یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا ندوہ اور اہلِ ندوہ کی سازشوں سے اُکتا چکے تھے اور یہاں سے نجات حاصل کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ جون ۱۹۳۷ء (۵۶ھ) میں "مدینہ" بجنور کی طرف سے پیش کش ہوئی اور شریک ادارت ہو کر بجنور چلے گئے انہوں نے یہ پیش کش سید صاحب سے مشورہ کیے بغیر قبول کر لی تھی۔ سید صاحب ایسے قابل اور محنتی استاد کا سٹاف سے علیحدہ ہوجانا نیک فال نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے اصرار پر چھ سات ماہ بجنور میں رہ کر ندوہ واپس آ گئے۔ اس زمانے میں انہوں نے جو ادبی

"مدینہ" میں لکھے، خاصے پسند کیے گیے مگر شفیق استاد کے حکم پر اپنی مقبولیت اور مادی فوائد کو ٹھوکر مار دی۔

خدا بخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ کی ملازمت

مولانا ندوہ آنے کو تو آ گئے مگر پہلی سی بات نہ تھی۔ اسی اثنا میں خدا بخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ کے کیٹلاگر (مرتب فہرست) مولوی عبدالحمید صاحب کا انتقال ہو گیا۔ لائبریری کے سیکریٹری نے موزوں آدمی کے لیے سید صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ سید صاحب نے مولانا کو مشورہ دیا کہ لائبریری کے سیکریٹری کے نام درخواست بھیج دی جائے جس میں اپنی عربی اور انگریزی زبانوں کی صلاحیت اور علمی کارناموں کا ذکر کریں۔ درخواست بھیجی گئی اور منظوری کی اطلاع آ گئی۔ اس طرح مولانا ندوہ سے دور ہو گئے مگر اہلِ ندوہ کی اصلاح کے لیے برابر کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں سید صاحب سے ان کی مسلسل خط و کتابت ہوتی رہی۔

پٹنہ کی علمی و ادبی سرگرمیاں

۱۶ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو مولانا نے پٹنہ لائبریری کا چارج لیا۔ پٹنہ میں اُن کا قیام سات سال رہا۔ لائبریری کی فہرست سازی اور عالم عرب کے رسائل کے لیے مضمون نویسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے "انجمن طلبائے قدیم ندوہ" کی بنیاد رکھی جس کا پہلا اجلاس ۱۹۳۸ء میں پھلواری شریف (پٹنہ) میں ہوا۔ انہوں نے ندوہ کی مالی اعانت کے لیے "انجمن معین الندوہ" تشکیل کی۔ وہ "انجمن طلبائے قدیم" کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم کی مجلس انتظامی کے رکن بھی رہے اور مقدور بھر اصلاح ندوہ کے لیے کوشش کی۔

لائبریری کی فہرست انگریزی میں مرتب کرتے تھے۔ علمی مضامین عربی میں لکھتے تھے۔ پہلی بار "معارف" کے لیے اردو میں اظہارِ خیال کیا۔ نومبر و دسمبر ۱۹۳۸ء کے "معارف" میں ان کے قلم سے علامہ شکیب ارسلان کی کتاب "السید رشید رضا" کا خلاصہ اور اس پر تبصرہ شائع ہوا۔ اہلِ قلم خصوصاً مولانا عبدالماجد دریابادی نے خوب داد دی۔ بعد میں مستقل طور پر اردو کو اپنا لیا۔

عالمِ اسلام کے راہنماؤں میں مولانا مسعود عالم، علامہ شکیب ارسلان سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تالیف "حاضر العالم الاسلامی" کو اسلامی دنیا کی انسائیکلوپیڈیا کہا کرتے تھے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ کتاب کئی بار انہوں نے پڑھی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ امیر شکیب ارسلان کا اندازِ تحریر ابن خلدون سے ملتا جلتا ہے لیکن ابن خلدون نپے تلے الفاظ میں اظہارِ مدعا کرتا

ہے اور امیر ہر ایک بات شرح و بسط سے بیان کرتے ہیں۔

مولانا مسعود عالم معاصر علماء اور سیاسی راہنماؤں میں سب سے زیادہ ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب سے متاثر تھے۔ وہ سجاد صاحب کی اصابت رائے، خلوص اور عقل و فہم کے بہت معترف تھے۔ انہیں سجاد صاحب سے ذاتی تعلق بھی تھا۔ مولانا سجاد، مولانا مسعود عالم صاحب پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ ۱۷ شوال ۵۹ھ/نومبر ۴۰ء کو مولانا محمد سجاد کا انتقال ہوا۔ مولانا مسعود عالم اس ناگہانی موت سے ازحد متاثر ہوئے۔ مولانا محمد سجاد کی یاد میں تعزیتی مضامین کا ایک مجموعہ "محاسنِ سجاد" کے نام سے مرتب کیا اور اس کتاب کو پورے ملک میں پھیلانے کی کوشش کی۔

پٹنہ کے دورانِ قیام میں مولانا کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ لائبریری میں ہر ذوق اور ہر نقطۂ نظر کے لوگ آتے تھے۔ ان سے علمی موضوعات پر گفتگو کرتے اور خط و کتابت کرتے تھے۔ مولانا امتیاز علی عرشی ماہر غالبیات نے نسخۂ عرشی (فارسی) مرتب کرنے میں مولانا سے رابطہ قائم رکھا۔ علامہ اقبال نے حوالہ جات کی تنقیح و تخریج اور عبارتوں کی تلاش و جستجو میں ان سے مدد لی۔ اور ذاتی دوستوں کے لیے تو انہوں نے سینکڑوں صفحات نقل کیے۔

پٹنہ میں اُن کے ملنے والوں میں نوجوان اور لیڈر قسم کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ بھی تھے۔ مولانا کو ان سے تبادلۂ خیال کا موقعہ ملتا تھا۔ اُن سے مارکس کی مادی جدلیت، تاریخ کی مادی تعبیر اور مزدوروں کی آمریت پر بحثیں ہوتی تھیں۔ اس تبادلۂ افکار کے سلسلے میں اشتراکیت کا باضابطہ مطالعہ شروع کیا اور اس عمیق مطالعہ کا نچوڑ "اشتراکیت اور اسلام" نامی کتاب کی صورت میں منصۂ شہود پر آیا۔ اس زمانے میں "الہلال" (پٹنہ) میں "عربوں کی قومی تحریک" کے زیرِ عنوان ایک طویل مقالہ لکھا جو بعدازاں لاہور کے ایک ادارہ کے کارپردازوں نے بلا اجازت شائع کر لیا۔

مولانا مسعود عالم نے اپنی عربی تالیف "حاضر المسلمی الہند و غابرہم" لکھتے ہوئے ایک باب "الحرکت الوہابیہ الہندیہ" "الضیاء" میں شائع کیا۔ پھر یہی مقالہ اردو زبان میں "الہلال" پٹنہ کی متعدد اشاعتوں میں بالاقساط چھپتا رہا اور اہل صادق پور کے حلقوں میں پسند کیا گیا۔

اس عرصے میں مولانا کے عزیز دوست مولانا ابوالحسن علی ندوی، سید احمد شہیدؒ کی سیرت مرتب کر رہے تھے۔ دونوں دوستوں کے درمیان طے پایا کہ مولانا ابوالحسن علی سیرتِ شہیدؒ

لکھیں اور مولانا مسعود عالم اپنا سفر شہادت گاہ بالاکوٹ سے شروع کریں اور بدلے ہوئے حالات میں سید احمد شہید رحؒ کے عقیدت مندوں کے کارناموں پر روشنی ڈالیں۔

ہندو پاکستان کی پہلی اسلامی تحریک پر قلم اٹھاتے ہوئے مولانا نے محسوس کیا کہ نجد کی وہابی تحریک کے بارے میں بیگانے ہی نہیں اپنے بھی غلط فہمیاں پھیلاتے اور افترا پردازیاں کرتے ہیں۔ ان ہی افترا پردازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے سیرت امام محمد بن عبدالوہاب "ایک بدنام اور مظلوم مصلح" کے نام سے تیار ہو گئی۔ جو محمدؒ بن عبدالوہاب اور ان کی تحریک کے بارے میں اردو زبان میں پہلی اور آخری جامع ترین تالیف ہے۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین کے دوسرے دَور کے بارے میں تاریخی مواد اکٹھا کیا مگر اس کی ترتیب و تدوین ۱۳۶۵ھ میں ہوئی اور یہ کتاب "ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک" کے نام سے دو بار شائع ہوئی۔

۱۹۴۰ء میں ماہنامہ "الفرقان" بریلی کا "شاہ ولی اللہ نمبر" شائع ہوا[1] جس میں مولانا مسعود عالم نے مولانا محمد منظور نعمانی مدیر "الفرقان" کی فرمائش پر "امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت و تدریجی ارتقاء" کے عنوان سے مضمون لکھا جو خصوصی نمبر کا پہلا مضمون ہے۔ اس نمبر میں مولانا عبیداللہ سندھی کا ایک مضمون بھی شامل ہے جس سے اہلِ علم اور خاص طور پر تحریکِ مجاہدین سے دلچسپی رکھنے والوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور ان لوگوں نے مولانا سندھی کے افکار و نظریات پر گرفت کی[2] جب مولانا سندھی کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" منظرِ عام پر آئی تو مولانا کے احباب خاص طور پر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے اس کا جواب لکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا مسعود عالم نے "چل میرے خامہ بسم اللہ" کہہ کر تنقید لکھنا شروع کی اور حق یہ ہے کہ تنقید کا حق ادا کر دیا۔

مولانا مودودی سے تعارف

ندوۃ العلماء کے زمانے سے "ترجمان القرآن" کے علمی و کلامی مضامین کے مدّاح اور مدیر "ترجمان" کے علم و فکر کے معترف

---

[1] شاہ ولی اللہ نمبر کے طفیل کئی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں۔ سیّد مودودی کی تالیف "تجدید و احیائے دین" پہلی بار اس نمبر میں شائع ہوئی۔ اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھی کی تالیف "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "تذکرہ شاہ ولی اللہ" اس نمبر میں شامل ہیں۔

[2] مولانا غلام رسول مہرؒ نے مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار پر گرفت کی۔ ملاحظہ ہو ماہِ نو دسمبر ۴۹ء

تھے۔ مولانا مسعود عالم ذاتی مزاج تعلیم و تربیت اور مطالعہ کی بنا پر مولانا مودودی کے مزاج سے ہم آہنگ تھے۔ دونوں حضرات تجدید و احیائے دین کے داعی اور تجدد کے پُرزور مخالف تھے۔ فقہی مسائل میں مین میخ نکالنے کے قائل نہ تھے اور ان کا ذوق کسی خاص فقہی مسلک کی تقلید جامد سے ابا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ "اہل حدیث" گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود "اہل حدیث" کہلانا پسند نہ کرتے تھے۔

جماعت اسلامی میں شمولیت

۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا تو خرابی صحت اور مصروفیات کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ ۲۱، ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو مشرقی یوپی اور بہار کے ارکان جماعت کا اجتماع دربھنگہ میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مولانا شریک ہوئے۔

مولانا مودودی "دارالاسلام" سے عربی زبان میں علمی ایک ماہنامہ جاری کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی اس تجویز اور ارادے کا ذکر سید ابوالحسن علی ندوی سے کیا جو اس زمانے میں رکن جماعت تھے اور ان سے ادارت کی ذمہ داری قبول کرنے کی فرمائش کی۔ مگر مولانا ابوالحسن علی نے اس کام کے لیے اپنے تجربہ کار دوست مولانا مسعود عالم کا نام پیش کیا اور انہیں اس کام پر رضامند کرنے کی ذمہ داری خود اٹھائی۔

مولانا مسعود عالم احیائے دین کے لیے ذاتی منفعتوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ پٹنہ سے دارالاسلام منتقل ہونے میں والد ماجد اور استاذ مکرم سید سلیمان ندوی حائل ہو سکتے تھے مگر ہر دو بزرگوں نے بطیب خاطر اجازت دے دی۔

دارالاسلام میں آمد

اکتوبر ۱۹۴۴ء میں مولانا پنجاب آ گئے۔ "ترجمان القرآن" کے چار ماہ رجب ـــ شوال ۶۳ھ کے مشترکہ شمارہ کے "اشارات" مولانا کے قلم سے ہیں۔ ان "اشارات" میں انہوں نے جماعت کے لٹریچر کو عربی زبان کا جامہ پہنانے اور عرب ممالک کے لیے موزوں لٹریچر کی تیاری کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس مقصد کے لیے ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالنے کا اعلان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"عربی زبان میں اب تک لٹریچر کے منتقل کرنے کا کوئی خاطر خواہ نظم نہیں ہو سکا ہے اور عربی کا کام دوسری زبانوں سے زیادہ دشوار اور اہم بھی ہے۔ عدن سے لے کر مغرب اقصیٰ تک عربی بولنے والی قوموں کی آبادیاں

پھیلی ہوئی ہیں۔ عربی بولنے والوں کی آبادی سات کروڑ سے کم نہ ہوگی اس کے علاوہ مشرقی افریقہ کے بعض علاقوں اور جزیروں میں بھی عربی کا چلن مادری زبان کی طرح ہے۔ جنوبی افریقہ میں بھی عربوں کی بڑی نوآبادی ہے ان میں زیادہ تر مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی اور دوسری قومیں۔ بعض علاقوں جیسے لبنان میں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ اس پوری آبادی کو عربی زبان ہی کے ذریعے خطاب کیا جاسکتا ہے۔ ان میں جا بجا ایسے طبقے بھی ہیں جیسے مراکش، الجزائر، نجد اور یمن جو ابھی اسلام کی تعلیمات سے زیادہ دور نہیں ہوئے اور اگر انہیں صحیح طور پر دعوت دی جائے تو وہ آسانی سے اقامتِ دین کی دعوت پر لبیک کہہ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایسے فرقے بھی ہیں (جیسے دروزی، یزیدی) جو ابتدائی صدیوں ہی میں اسلام کی تعلیم سے دور جا پڑے اور آج تک وہ اپنے مخصوص عقیدوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ فقہی مذاہب کے لحاظ سے بھی عربی ملکوں میں چاروں اماموں (آئمہ اربعہ) کے متبعین پائے جاتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے بعض خطے (مصر، عراق، شام) عربی قومیت کے نشے میں سرشار ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ عربی بولنے والی سات کروڑ آبادی ہندوستان کی طرح یکساں Homogeneous خیالات نہیں رکھتی۔ عربی بولنے والی قوموں کو دین کی دعوت دینے کے لیے بڑی تیاری اور دوربینی کی ضرورت ہے اور نوع بنوع مریضوں کے لیے مختلف قسم کا تریاق بھی تیار کرنا پڑے گا۔

جماعت کے لٹریچر کا صرف ترجمہ کر دینا ہی عربی داں پبلک کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ لٹریچر کے ترجمے میں بھی عرب کے مخصوص حالات و افکار کے اعتبار سے جا بجا ضمنی تبدیلیاں اور اضافے کرنے ہوں گے۔ نیز اچھا خاصا صالح لٹریچر براہِ راست عربی زبان میں تیار کرنا پڑے گا۔ جو وقت کے چلن سار اور مقبولِ عام افکار کے مقابلے میں اسلامی فکر اور اسلامی تحریک کو صحیح اور سائنٹیفک طریقے پر پیش کر سکے۔ یہ صالح لٹریچر اپنی زبان، طریقۂ فکر و نظر

---

(۱) مضمون ۱۹۴۴ء میں لکھا گیا تھا۔

اور اسلوبِ بحث کے لحاظ سے اتنا ممتاز اور نمایاں ہو کہ دل اُس کی طرف کھنچ جائے اور دماغ اس سے اثر پذیر ہو سکیں۔[1]

جالندھر میں قیام

دارالاسلام سے ایک عربی ماہنامہ "الہدیٰ"[2] جاری کرنے کا پروگرام بنایا گیا اور لٹریچر کا ترجمہ شروع کیا گیا مگر دارالاسلام کی مرطوب آب و ہوا مولانا کو راس نہ آسکی۔ طبیعت نہایت خراب رہنے لگی۔ چنانچہ بستی دانشمنداں جالندھر میں قیام طے پایا اور "دارالعروبہ للدعوۃ الاسلامیہ" نے کام شروع کر دیا۔

اپریل ۱۹۴۵ء میں کل ہند ارکانِ جماعت کا اجتماع دارالاسلام میں منعقد ہوا قیمِ جماعت نے رپورٹ میں کہا:

"عربی لٹریچر کی تیاری کے لیے مولانا مسعود عالم ندوی کی قیادت و راہنمائی میں جالندھر میں دارالعروبہ کے نام سے عربی ادارہ کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور مولانا اپنی خرابیٔ صحت اور دوسری مجبوریوں کے باوجود اپنے وطن (صوبہ بہار) سے ہجرت فرما کر مستقل طور پر دارالعروبہ تشریف لے آئے ہیں اور اپنا پورا وقت توجہ اور محنت سے اس کام پر صرف کر رہے ہیں۔ اس بات کا افسوس ہے کہ دارالاسلام کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور ان کے لیے یہاں سے دور انتظام کرنا پڑا۔"[3]

اس اجتماع میں مولانا مسعود عالم بطور رکنِ شوریٰ شریک رہے۔ جالندھر میں کام شروع کر دیا گیا تھا لیکن یہاں مستقل قیام ممکن نہ تھا۔ ایک یہ جگہ (بستی دانشمنداں) شہر اور ریلوے سٹیشن سے بہت دور تھی۔ دوسرے یہاں مستقل قیام کے لیے کوئی موزوں مکان نہیں مل رہا تھا۔ ایک دوست کے ہاں عارضی قیام تھا۔ مکان کی تلاش کے لیے "راوا" اور "پھلور" بھی منتقل ہوتے لیکن یہ بستیاں دارالعروبہ جیسے ادارے کے لیے کسی صورت میں موزوں نہ تھیں۔ آخر تلاشِ بسیار کے بعد مارچ ۱۹۴۶ء میں ایک اچھا اور صاف ستھرا مکان مل گیا۔ اجتماع الٰہ آباد منعقدہ ۵ تا ۷ اپریل ۱۹۴۶ء میں قیمِ جماعت نے رپورٹ میں دارالعروبہ کے بارے میں بتایا۔

"گزشتہ سال عرب ممالک کے لیے عربی زبان میں لٹریچر تیار کرنے کے لیے دارالعروبہ کے قیام کا ذکر کیا گیا تھا۔ چونکہ اس شعبہ کے انچارج مولانا

---

[1] ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۴۴ء [2] افسوس کہ جماعت اب تک یہ پرچہ شائع نہ کر سکی۔

[3] روداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص ۴۰

مسعود عالم صاحب ندوی دمہ کے مریض ہیں۔ اس لیے طبی مشورہ کے مطابق دار العروبہ کے لیے جالندھر شہر کا قیام تجویز ہوا۔ لیکن جنگی مشکلات کی وجہ سے وہاں مکان نہ مل سکا۔ اور دار العروبہ جالندھر میں ایک دوست کے مکان پر عارضی طور پر قائم کر دیا گیا۔ دو تین مہینے اس طرح گزرے۔ پھر جالندھر میں مکان حاصل ہونے میں جب مایوسی ہو گئی تو "رہواں" ضلع جالندھر میں اس ادارے کو منتقل کر دیا گیا لیکن وہاں کی آب و ہوا بھی مرطوب اور مولانا مسعود عالم صاحب کے لیے مضر ثابت ہوئی۔ چنانچہ رمضان سے کچھ دن پہلے وہ رخصت پر بہار تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مکان کی تلاش بدستور جاری رہی لیکن بے سود۔ چنانچہ پھر پھلور ضلع جالندھر دار العروبہ کے قیام کے لیے تجویز ہوا اور وہاں مولانا مسعود عالم صاحب نے رمضان کے بعد آکر کچھ دن قیام کیا۔ اسی اثنا میں جالندھر میں ایک مکان مل گیا اور وہ جالندھر منتقل ہو گئے۔[1]

اگست ۱۹۴۷ء تقسیم برصغیر تک دار العروبہ جالندھر ہی میں رہا۔

بہار ریلیف کیمپ میں خدمات

نومبر ۱۹۴۶ء میں بہار سے ہندوؤں کے مسلمانوں پر حملوں کی خبریں آنے لگیں۔ ان فسادات میں مسلمانوں کا بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا۔ ان خبروں سے مولانا مسعود عالم بے چین تھے۔ جماعت اسلامی نے بہار میں ریلیف کا کام شروع کیا اور عبد الجبار غازی صاحب کو نگران کار بنایا۔ مولانا مسعود عالم چونکہ بہار ہی کے رہنے والے تھے اور وہاں کے با اثر افراد سے ان کے تعلقات بھی تھے۔ اس لیے غازی صاحب کے اصرار پر بہار جانے پر آمادہ ہو گئے۔ بہار کی مرطوب آب و ہوا ان کے لیے سازگار نہ تھی تاہم جماعت کی ڈیوٹی شب و روز محنت سے ادا کی۔

اپریل ۱۹۴۷ء میں جماعت اسلامی مشرقی ہند کا سالانہ اجتماع پٹنہ میں تھا۔ اس میں شرکت کرتے ہوئے واپس جالندھر آ گئے۔ اسی دورے میں والد محترم سے آخری ملاقات کی تھی۔

تقسیم ملک

تقسیم ملک کے وقت مولانا مسعود عالم جالندھر میں مقیم تھے جس مکان میں دار العروبہ کا دفتر اور ان کا قیام تھا۔ ایک سکھ کی ملکیت تھا۔ ہر طرف ہنگامے اور بلوے ہو رہے تھے۔ مگر مولانا پامردی سے اپنے مکان میں مقیم رہے۔ کھانے پینے کی تکلیف

---

[1] روئداد جماعت اسلامی حصہ چہارم ص ۶۶ +

کے باوجود مولانا نے کہیں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ چند دن بعد احباب کے کہنے پر مولانا عبدالحق عباسؒ کے مدرسۃ البنات منتقل ہو گئے اور اپنی کتابیں اور ضروری سامان بھی منتقل کر لیا۔ اگست ۴۷ء کے آخر میں عبدالجبار غازی صاحب لاہور سے اپنے عزیزوں کو لینے جالندھر گئے۔ اُن کے ساتھ دو فوجی ٹرک تھے واپسی پر مولانا مسعود عالم بھی ان کے ساتھ جالندھر سے لاہور آ گئے۔

تقسیمِ ملک سے مولانا مسعود عالم کو ایک نقصان یہ برداشت کرنا پڑا کہ والد ماجد سے جدا ہو گئے۔ دوسرا نقصان عظیم ذخیرۂ کتب کا ضیاع تھا۔ "دیارِ عرب" میں لکھتے ہیں:-

"بیس سال میں جو کچھ جمع کیا تھا۔ غالباً ردی کے نرخ فروخت ہوا ہو گا۔ وہ کتابیں اگر دوبارہ خریدی جائیں تو بھی وہ کام نہیں کر سکتیں۔ ان کتابوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہوا، حاشیوں پر یادداشتیں، ان کے صفحے اور سطریں ایسی مانوس گویا نگاہوں کے سامنے پھر رہی ہوں[1]۔"

قیامِ لاہور لاہور میں مرکز جماعت اسلامی کے دوسرے رفقاء کے ساتھ سوہن لال بلڈنگ اور اسلامیہ پارک میں قیام رہا۔ خورد و نوش اور نشست و برخاست میں بے احتیاطی رہی مگر راہِ دوست میں سب کچھ ہنسی خوشی قبول کیا۔

راولپنڈی کا قیام جماعت اسلامی نے طے کیا کہ مرکز جماعت شہر کی ہنگامہ آرائی سے دُور کسی بستی میں ہونا چاہیئے۔ تقسیمِ ملک سے پہلے اس مقصد کے لیے جگہ کی تلاش بھی جاری تھی مگر تقسیمِ ملک نے تمام منصوبے تلپٹ کر دیئے۔ عارضی طور پر لاہور میں مرکزِ جماعت بنایا گیا اور اس کی شاخ راولپنڈی میں قائم کی گئی۔ کیمبل پور میں سردار محمد اکبر خاں مرحوم کے توسط سے تعمیر مرکز کے لیے ایک قطعۂ زمین حاصل کر لیا گیا۔ تعمیر مرکز اور راولپنڈی شاخ (مرکز) کی نگرانی کے لیے مولانا اصلاحی، غازی صاحب اور مولانا مسعود عالم راولپنڈی منتقل ہو گئے۔ دارالعروبہ کی تجدید تو بھی راولپنڈی میں عمل میں آئی۔

۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو مولانا راولپنڈی منتقل ہوئے تھے اور کوچہ شام سنگھ کے ایک مکان میں دارالعروبہ کا دفتر بنایا۔ ان دنوں مولانا نے روزنامہ اخوان المسلمون (قاہرہ) اور عالمِ عرب کے بعض دوسرے پرچوں میں ہندوستان میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر مضامین لکھے

---

[1] دیارِ عرب میں چند ماہ ص ۱۶

مولانا نے دارالعروبہ کی ذمہ داری ان شرائط پر اٹھائی تھی کہ جماعتی لٹریچر دوسرے ساتھیوں سے اپنی نگرانی میں ترجمہ کرائیں گے اور خود Origio nal لکھیں گے[1] مگر تقسیمِ ملک کے بعد موزوں افراد کی ٹیم میسر نہ آنے کی وجہ سے مولانا نے ترجمہ کی ذمہ داری بھی خود اٹھالی۔ ایک سال ڈیڑھ کے اندر انہوں نے "دینِ حق"، "اسلام اور جاہلیت"، "جہاد فی سبیل اللہ" اور "شہادتِ حق" کا ترجمہ کیا اور ساتھ ساتھ اپنی تالیف "اسلام اور اشتراکیت" کا دوسرا ایڈیشن مرتب کیا۔ "محمد بن عبدالوہاب" اور "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں اضافے اور ترامیم کیں۔ رفقاء کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر نظرِ ثانی کی اور عربی تالیف "غربۃ الاسلام فی الہند" کے لیے مواد اکٹھا کیا۔

امارت حلقہ راولپنڈی

۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مولانا مودودی، مولانا اصلاحی اور قیم جماعت میاں طفیل محمد کو "پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ" کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ غازی صاحب کو مرکزِ جماعت لاہور جانا پڑا تو حلقہ راولپنڈی (مرکزی شاخ) کی امارت کی ذمہ داری مولانا پر ڈال دی گئی۔

سفرِ دیارِ عرب

دارالعروبہ کی دو اڑھائی سال کی کوششوں کے بعد اندازہ ہوا کہ جب تک عالمِ عرب میں ذاتی اثر و رسوخ پیدا نہ کیا جائے پاکستان میں رہتے ہوئے ان ممالک میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ عربی تراجم کے پہلے ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں سٹاک میں تھے مگر نکاس تقریباً صفر تھا۔ ان حالات میں مولانا نے اپنی خرابیِ صحت اور تنگ دستی کے باوجود دیارِ عرب کے سفر کا پروگرام بنایا۔ بغداد میں ان کے استاد شیخ تقی الدین ہلالی سکونت پذیر تھے اس لیے مولانا پہلے عراق جانا چاہتے تھے اور وہاں حالات کا جائزہ لے کر اپنے سفر کی منصوبہ بندی کا خیال تھا۔

فروری ۱۹۴۹ء کے وسط میں امیر جماعت سے اجازت حاصل کی۔ مصارفِ سفر کے لیے کوئی رقم نہ تھی۔ چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ وصول کی اور یکم مارچ ۱۹۴۹ء کو کراچی چلے گئے۔ ڈیڑھ ماہ پاسپورٹ کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر عراق کے لیے عارضی ویزا لے کر ۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء کو کراچی سے بصرہ روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں مولانا کے شاگرد عزیز مولانا محمد عاصم الحداد ساتھ تھے۔

---

[1] ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے +

۵ مئی کو بصرہ اور ۱۰ مئی کو بغداد پہنچے۔ بغداد میں قیام روزنامہ "السجل" کے دفتر کے قریب ایک کمرے میں تھا۔ روزانہ ہلالی صاحب کے ساتھ نشست ہوتی تھی۔ انہیں اپنے ترجمہ کئے ہوئے رسائل سناتے اور ان کے مشورہ سے تصحیح و تنقیح کی جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ ہلالی جماعت کی دعوت سے متعارف ہو رہے تھے۔ بغداد کے کئی دوسرے اہل علم اور صحافیوں سے مسلسل رابطہ رہا۔ مولانا مسعود عالم نے روزنامہ "السجل" میں کشمیر اور ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق مضامین لکھے۔

ابھی بغداد میں قیام تھا کہ مرکز جماعت سے دو ہزار روپے پہنچ گئے۔ اس رقم کے بروقت پہنچ جانے سے سعودی عرب کے سفر کا پروگرام بنایا اور ہلالی صاحب سے رخصت لے کر سعودی عرب بغرض حج و توسیع دعوت روانہ ہو گئے۔ سعودی حکومت نے بھرپور تعاون کیا اور مصارفِ حج خاصے کم ہو گئے۔

بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کویت گئے۔ کویت گیارہ روزہ قیام کے بعد "ریاض" اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے۔ حرمین میں تقریباً ماہ رہے۔ اس طرح ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو واپس وطن آئے۔

دیارِ عرب کے سفر کی دلچسپ ڈائری مولانا مسعود عالم کے قلم سے "دیارِ عرب میں چند ماہ" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ یوں تو مولانا کی جملہ تصانیف میں ان کی شخصیت جھلکتی ہے مگر ڈائری میں ان کی شخصیت سمٹ کر آ گئی ہے۔ وہی صاف گوئی اور وہی تلخ نوائی جو ان کی محفلوں کی روح تھی۔ ڈائری میں موجود ہے۔ تنقید کی تلخی اور محبت کی شیرینی پہلو بہ پہلو موجود ہے۔ عالمِ عرب میں جماعت اسلامی کی جو علمی و فکری ساکھ قائم ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں مولانا مرحوم کے اس سفر نے اہم کردار ادا نہیں کیا؟ عرب جس قدر دعوتِ اسلامی پر لبیک کہیں گے اس سے مولانا مرحوم کی روح کو آرام نصیب ہوگا۔

قیامِ حیدرآباد (سندھ) دیارِ عرب سے واپسی پر تین ماہ حیدرآباد قیام رہا۔ دار العروبہ کے لیے مناسب مقام کراچی تھا مگر کراچی کی آب و ہوا مولانا کی صحت کے لیے موزوں نہ تھی۔ اس لیے کراچی کے بجائے حیدرآباد کو جائے قیام کے طور پر چنا گیا تاکہ کراچی سے قریب ہونے کی وجہ سے رابطہ بھی آسان رہے اور وہاں کی مرطوب آب و ہوا کے برے اثرات سے بھی بچا جائے۔ لیکن تین ماہ کے قیام نے ثابت کیا کہ حیدرآباد کی آب و ہوا

بھی چنداں موزوں نہیں۔ اس لیے مارچ ۵۰ء میں گوجرانوالہ منتقل ہو گئے۔

امارتِ جماعت

مئی ۱۹۵۰ء میں عبدالجبار غازی صاحب نے خرابی صحت کی بنا پر جماعت کی امارت سے استعفاء دے دیا۔ ارکانِ شوریٰ نے اتفاق رائے سے مولانا مسعود عالم کو جماعت کا امیر چُنا۔ مولانا نے خرابی صحت اور دارالعروبہ کی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر لاکھ عذر کیے مگر ارکانِ شوریٰ نے اپنی رائے تبدیل نہ کی اور انہیں بادلِ ناخواستہ یہ ذمہ داری قبول کرنا پڑی۔ مگر ان کے منتخب ہونے کے دو ہی دن بعد ملتان جیل سے سید مودودی مولانا اصلاحی اور میاں طفیل محمد رہا ہو گئے۔ مولانا مسعود عالم کے سر سے گویا ایک بارِ عظیم ٹل گیا۔

سوا سال تک دارالعروبہ گوجرانوالہ میں رہے۔ گوجرانوالہ ضلع کے امیر جماعت مولانا ہی تھے۔ مئی ۱۹۵۱ء میں دوبارہ راولپنڈی کا فیصلہ ہوا اور راولپنڈی آ گئے۔ راولپنڈی میں مولانا نے اپنی عربی تالیف "تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الھند و باکستان" مکمل کی اور مسائل حاضرہ پر عرب رسائل میں مضامین لکھتے رہے۔

نومبر ۱۹۵۱ء میں جماعت کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مولانا نے دو مقالات "دنیا میں اسلامی تحریکیں" اور "ہندوستان میں دعوتِ اسلامی کی مختصر تاریخ" پڑھے۔ مولانا کی مختصر تالیف "نظرۃ اجمالیہ" قاہرہ سے شائع ہوئی جو "تاریخ الدعوۃ" کا خلاصہ ہے۔ راولپنڈی کے دورانِ قیام میں مولانا کے زیرِ نگرانی سید مودودی کے مختصر مقالات کے ترجمے ہوئے۔

قید و بند

۱۹۵۳ء میں قادیانی ایجی ٹیشن کے ناکردہ گناہ کی پاداش میں حکومت نے جماعت اسلامی پر نظرِ عنایت کی۔ جماعت کے امیر اور مرکزی راہنماؤں کو یکے بعد دیگرے گرفتار کیا گیا۔ مولانا مرحوم بھی اس سعادت سے بہرہ یاب ہوئے۔ جس روز انہیں گرفتار کیا گیا اس سے ایک ماہ پہلے سے ضیق النفس کے شدید دورے پڑ رہے تھے۔ صحت اس قدر گر چکی تھی۔ کہ سارا وقت بستر پر گزرتا تھا۔ ۲۸ مارچ ۵۳ء کی صبح دروازے پر دستک ہوئی اور معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ مولانا کو سرکار بلانا چاہتی ہے۔ مولانا جو بستر پہ نڈھال پڑے تھے۔ یہ سنتے ہی ان کی ایمانی حرارت جوش میں آئی۔ فوراً اٹھے اور پولیس والوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

مولانا ۲ اگست ۵۳ء کو رہا ہوئے یعنی سوا چار ماہ قید و بند میں گزارے۔ جس شخص نے امام احمد بن حنبل رح کی استقامت اور اہل صادق پور کی عزیمت کی داستان مزے لے لے کر بیان کی تھی اسے بھی الفت کے چند جرعے مل گئے۔ ان چار مہینوں میں انہوں نے قید و بند کی تکالیف

جس خندہ پیشانی اور صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ مولانا گھر میں چارپائی پر سونے کے عادی تھے اور وہ بھی اس طرح کہ جب تک سونے سے پہلے کوئی شاگرد ان کا جسم نہ دبا دے انہیں نیند نہ آتی تھی۔ سوتے میں کہیں ذرا سا شور یا روشنی ہوتی تو آنکھ کھل جاتی تھی۔ پھر کھانے میں پرہیز ایسی تھی کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی صحت کے لیے خطرہ بن جاتی تھی۔

جیل میں پختہ فرش پر نہیں بلکہ ناہموار کچی زمین پر سونا پڑتا تھا۔ جیل میں کھانے کا جو انتظام ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ رمضان المبارک بھی جیل میں گزارا۔ گرمی تڑاقے کی تھی اور وہ دمہ کے مریض اس لیے وہ روزہ تو نہ رکھ سکے لیکن تلاوتِ قرآن اور قیام لیل میں کسی صحت مند شخص سے پیچھے نہ رہے۔ ہر نماز باجماعت ادا کرتے اور ہر رات پابندی سے کھڑے ہو کر تراویح پڑھتے تھے۔

رہائی کے بعد

جیل سے آنے کے بعد مولانا کی طبیعت خراب ہو گئی۔ صحت مسلسل گرتی گئی مگر اُن کی غیر معمولی ہمت اور قوتِ ارادی تھی کہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ ورنہ آرام کی ضرورت تھی۔ ۲۲ نومبر ۵۳ء کو انہیں اپنے شفیق اور محترم استاد سید سلیمان ندوی رحمہ کے انتقال کی خبر سننا پڑی۔ انہیں سید صاحب سے بے پناہ محبت تھی اور اختلافِ نقطۂ نظر کے باوجود اس محبت اور یگانگت میں کبھی کمی نہ آئی۔ مولانا کے لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا مگر صبر و رضا کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ سید صاحب کی وفات پر ذاتی تاثرات لکھے جو "معارف" سلیمان نمبر میں شائع ہوئے۔

مولانا کو سید صاحب سے مسلسل مراسلت کا شرف حاصل تھا اور سید صاحب کے خطوط ترتیب و سلیقہ سے محفوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ سید صاحب کے خطوط مرتب کیے۔ یہ ان کی آخری تالیف تھی۔ جو ان کی زندگی کے بعد شائع ہوئی۔

وفات

یکم مارچ ۵۴ء کو مولانا اس لیے کراچی روانہ ہوئے کہ وہاں اپنے پاسپورٹ میں توسیع کرائیں گے (کیونکہ ۲۴ جون ۵۴ء کو پاسپورٹ کی مدت ختم ہو رہی تھی) اور اگر حالات نے اجازت دی تو مصر اور شام کے دورے پر جائیں گے کیونکہ پہلے سفر میں صرف عراق، کویت اور سعودی عرب کا دورہ ہو سکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ بھارت جانے کی اجازت مل جائے۔

۳ مارچ کراچی پہنچے۔ کراچی میں طبیعت مضمحل رہنے لگی اور کوئی کام نہ ہونے پایا۔ ۴ مارچ کو جناب سلطان احمد صاحب کے گھر (پیر الٰہی بخش کالونی) میں جماعت کی مرکزی شوریٰ

کا اجلاس تھا۔ اس لیے ۱۳ مارچ کو ان کے ہاں منتقل ہو گئے۔ اس شوریٰ میں ان کے سفرِ مصر و شام کے بارے میں حتمی فیصلہ ہونا تھا اور ارکانِ شوریٰ اپنے طور پر غور و فکر کر رہے تھے مگر کسے معلوم تھا کہ وہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہو جائیں گے جو ہر دوسرے سفر سے بے نیاز کر دے گا۔

شوریٰ کی کارروائیوں میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ ۱۶ مارچ کی شام اجلاس میں طبیعت کے اضمحلال اور تھکان کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ بستر میں لیٹے لیٹے بے تکلف دوستوں سے باتیں کرتے رہے۔ تقریباً ۱/۲ ۸ بجے کے قریب دمہ کا آخری دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا ڈاکٹر کو بلایا گیا مگر ڈاکٹر کے آنے سے پہلے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۱۷ مارچ کی صبح ۱۰ بجے مفتی محمد شفیع نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دہلی کے پنجابی سوداگران کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیے گئے۔

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر　　　خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر

خراجِ عقیدت

مولانا کی وفات سے صرف جماعت اسلامی کو ہی کافی نقصان نہیں پہنچا بلکہ یہ عالمِ اسلام کا ایک بڑا المیہ تھا۔ عالمِ عرب کے علمی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔

مفتی محمد امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین نے کہا

"میں نے مرحوم کو جواں عمری ہی میں اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمۃ الحق کے جذبہ سے بھرپور پایا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں کماحقہٗ جہاد کرتے ہوئے جان، جاں آفرین کے سپرد کی۔"

مولانا کے استاد اور عربی زبان و ادب کے بے نظیر عالم ڈاکٹر تقی الدین ہلالی نے شاگرد کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

"جواں مردی، ہمت اور صبر و استقامت میں مسعود صاحب ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔"

محمد محمود صواف نے کہا:

"موصوف عالمِ باعمل اور داعیٔ مخلص تھے۔ سچے دل سے میدانِ عمل میں کود جانے والے سپاہی، محبت و شفقت سے بھرپور دل رکھنے والے دوست اور اہم پیچیدہ مسائل میں بہترین مشیر تھے۔ اُن سے مل کر میں ایسا

محسوس کرتا تھا کہ میں ایک مجسّم فضل و تقویٰ، علم و عمل اور صاحب فکر و نظر سے شرفِ ملاقات حاصل کر رہا ہوں اور اُن کے ادب و تدیّن، فراستِ ایمانی اور دقّتِ نظر کا سکہ میرے دل میں بیٹھتا ہے۔"

احمد مظہر العظمہ ایڈیٹر "التمدن الاسلامی" (دمشق) لکھتے ہیں:

"اسلام ایک انسان میں کس قدر عظیم الشان انقلاب برپا کرتا اور اللہ کے لیے کام کرنے کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں دُور کر دیتا ہے۔ اس کی مثال اس زمانے میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم ہیں۔"

طٰہٰ فیاض ایڈیٹر روزنامہ "السجل" (بغداد) رقم طراز ہیں:-

"اس عظیم الشان اور جانکاہ حادثہ پر ہم پاکستانی قوم سے دلی ہم دردی کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیوں کہ آج دعوتِ اسلامی کا اہم رکن ان کے ساتھ سے چھن گیا۔"

مرحوم کے دوست اور عالمِ اسلام کے بلند پایہ مفکر ابوالحسن علی ندوی نے لکھا:

"مولانا مسعود صاحب نے دین کی خدمت کے سلسلہ میں خرابیٔ صحت اور علالت کے باوجود جو جدوجہد کی اور قید و بند کے مصائب اور صعوبتیں اٹھائی ہیں۔ ان کے مقابلے میں میری سینکڑوں تحریریں اور تقریریں ہیچ ہیں۔"

علمی خدمات

مولانا مسعود عالم عمر بھر بیمار رہتے ہوئے وہ کام کیا جو بہت سے لوگ تندرست اور صحت مند رہ کر بھی نہیں کر سکتے۔ مولانا کی ہمت کا یہ عالم تھا کہ ادھر دمہ کے شدید دورے سے نجات پائی اور ادھر تن کر کرسی پہ بیٹھ گئے اور قلم روانی سے چلنے لگا۔ مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔ مندرجہ ذیل مستقل تالیفات ہی ان کا نام روشن رکھیں گی۔

۱- ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔
۲- محمد بن عبدالوہاب (ایک مظلوم اور بدنام مُصلح)
۳- اشتراکیت اور اسلام۔
۴- مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار و خیالات پہ ایک نظر۔
۵- دیارِ عرب میں چند ماہ۔
۶- مکاتیب سلیمان (ترتیب و حواشی)

۷۔ الترجمۃ العربیہ حصہ اول و دوم (محمد عاصم الحداد صاحب کے تعاون سے یہ کتاب تیار کی۔)

۸۔ نظرۃ اجمالیہ فی تاریخ دعوت الاسلامیہ فی الہند و باکستان (عربی)

ان کے علاوہ بیسیوں مضامین ہند و پاک اور عالم عرب کے ممتاز جرائد میں منتشر ہیں۔ بعض عربی کتابوں کی تصحیح و ترتیب میں بھی وہ شریک رہے تھے مثلاً ابن فورک کی "مشکل الحدیث" دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ اصل نسخہ کی تصحیح میں ان سے مدد لی گئی تھی۔

مولانا مسعود عالم کی تصانیف پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذاق خالص مؤرخانہ تھا۔ خود بھی اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

"خاکسار تاریخ کا طالب علم ہے۔"

مولانا مرحوم نے جملہ تصانیف نہایت محنت اور تحقیق و تفحّص سے مرتب کی ہیں۔ "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" کے مآخذ و مراجع کی فہرست میں ۵۴ کتب کے نام درج ہیں۔ اسی طرح "محمد بن عبدالوہاب" پر لکھتے ہوئے انہوں نے ۶۳ کتابوں سے استفادہ کیا۔ "اسلام اور اشتراکیت" تاریخ کے موضوع سے کچھ ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر اس میں بھی ان کے ذوقِ تاریخ نے جا بجا تاریخی معلومات جمع کی ہیں۔

مولانا مرحوم ایک محقق کی نظر رکھتے تھے اور حوالہ و سند ہمیشہ نقل کرتے تھے۔ اقتباسات جامع اور سیاق و سباق کے مطابق دیتے تھے۔ مولانا کے لکھنے کا ایک خاص انداز ہے۔ نپے تُلے جملے۔ لفظوں کا مُحتاط اور برمحل استعمال۔ بات کو خواہ مخواہ طُول دینے سے گریز۔ مختصر یہ کہ ان کی تحریر کا ایک ایک جُملہ انتخاب ہے۔

سیرت و کردار

مولانا مسعود عالم کی سیرت و کردار کے چند نمایاں پہلو یہ تھے:

کلام اللہ اور سنتِ رسول سے عشق مسعود عالم صاحب کو قرآن کریم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ شاید سب سے زیادہ زیرِ مطالعہ رہنے والی کتاب "قرآن کریم" ہی تھی۔ اور عربی زبان میں مہارت کاملہ کی وجہ سے قرآن کی ایک ایک آیت پر گھنٹوں غور کرتے اور جھومتے تھے۔ یہی حال سنتِ رسول کا تھا۔ سنتِ رسولؐ کے اتباع کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

آزادیٔ فکر و رائے کی حوصلہ افزائی موصوف اندھی تقلید کے قائل نہ تھے۔ وہ خود بھی آزادیٔ فکر و رائے سے کام لیتے تھے اور کارکنوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں باغی پیدا ہُوا ہوں۔ ماحول سے وہ کبھی دب کر نہیں رہے۔ تنقید کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور خود تنقید میں کسی سے رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ ان کی بے باک تنقید سے بعض اوقات احباب ناراض بھی ہو جاتے تھے۔ مگر یہاں معاملہ اصلاحِ حال کا تھا۔ تنقید برائے تنقید نہیں ہوتا تھا۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جماعت کے اندر ایک ادنیٰ کارکن بھی اپنے کو بڑے سے بڑے رفیق پر تنقید کا حق دار سمجھے لیکن تنقید میں توازن اس کے حدود اور مطالبات کو سمجھنے پر زور دیتے تھے۔ تنقید کے ساتھ ساتھ تو ناقدین کو ذاتی محاسبہ کی طرف بھی توجہ دلاتے تھے۔

اُولو العزمی موصوف ۱۳ سال کی عمر میں ضیق النفس کے موذی مرض کے شکار تھے اور آخر دم تک اس مرض نے پیچھا نہ چھوڑا۔ مرض کا حملہ ہوتا تو کئی کئی گھنٹے کراہتے رہتے تھے۔ اور جونہی افاقہ ہوتا مطلق خیال نہ کرتے اور جم کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور لکھنے پڑھنے کا کام بدستور شروع کر دیتے تھے۔ دیکھنے والا یہ نہ سمجھ سکتا کہ یہ وہی شخص ہیں جو تنفّس کی تکلیف میں ابھی چند منٹ پہلے کراہ رہے تھے۔ ان کی ہمت واقعی سبق آموز ہے۔

صبر و شکر مرض کی کسی منزل میں یاس یا ناشکری کا وہم بھی ذہن میں نہ آیا۔

استاد کا ادب و احترام موصوف سید سلیمان ندوی کے عزیز شاگرد تھے۔ عمر بھر ان سے تعلق خاطر رہا۔ ان کے احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور زندگی بھر اُن سے صلاح مشورہ کیا "محمد بن عبد الوہابؒ کے انتساب سے یہ عقیدت ظاہر ہے۔

> "اپنے استاد، مُربّی اور مخدوم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی کے نام ـــ جن کی پدرانہ شفقت میری زندگی کے اتار چڑھاؤ کی نگہبان رہی ہے اور جن کی سرپرستی اور قیمتی مشوروں نے مجھ میں لکھنے پڑھنے کا مذاق پیدا کیا اور اپنی طالب علمی کے گزشتہ بارہ تیرہ برسوں میں، جن کی ہدایتوں کا یکسر پابند رہا ہوں۔"

"لغاتِ جدیدہ" کا نیا ایڈیشن چھپ رہا تھا۔ سید صاحب نے ضروری محسوس کیا کہ

جدید اسالیب بیان اور نئے الفاظ و محاورات اور مصطلحات و معربات کا اضافہ ہونا چاہیئے۔
ان کی نگاہ انتخاب مولانا مسعود عالم پر پڑی۔ مولانا مسعود عالم نے مفصل مقدمہ لکھا اور اضافے کیے
سید صاحب خوش ہوئے اور فرمایا کہ اپنی محنت کا معاوضہ کیا چاہتے ہو؟ نام یا دام؟

مولانا نے عرض کیا "صرف استاد کی خوشنودئ مزاج" کتاب کے سات نسخے سید صاحب نے مرحمت فرمائے اور ٹائیٹل پیج پر "مع اضافہ جدید از مسعود عالم ندوی" کا اضافہ کیا۔

دلیل کا احترام

مولانا جماعت میں ایک صائب الرائے شخص تھے اور اپنی رائے ہمیشہ پورے زور سے پیش کرتے تھے لیکن اگر دلیل سے ان پر واضح ہو جائے کہ ان کی بات کمزور ہے تو خواہ اس بات کو کتنے ہی زور سے کیوں نہ پیش کر چکے ہوں لیکن اس پر اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ فوراً اپنی غلطی کے احساس اور مخالف کی رائے کی صحت و صداقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کر لیتے تھے اور اعتراف کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ مخاطب کو احساس ہوتا کہ وہ اس اعتراف میں یک گونہ کیف و انبساط محسوس کر رہے ہیں۔
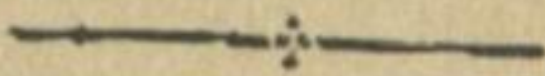
مکتوبات

بنام مولانا محمد ناظم ندوی

(۱)

کتاب خانہ خدا بخش خاں۔ بانکی پور
غرہ، ربیع الآخر، ۵۷ھ

محب مخلص! سلام و رحمت

بہت عجلت میں ہوں۔ ایک کارڈ لکھ چکا ہوں پھر مختصر طور پر عرض کرتا ہوں:

۱۔ آپ دونوں باب[1] حتی الوسع مختصر لکھیں۔ دینی باب کا پیمانہ پیش نظر رہے البتہ نفس موضوع کے متعلق ایک خاکہ ذہن میں آجانا چاہیئے۔

۲۔ ابتدائی ابواب میں: (ا) انتشار الاسلام (ب) الحکومات الاسلامیہ۔ (ج) الوھابیۃ (د) تاثیر الاسلام (ہ) ثورۃ الھند الکبریٰ (و) کیف استولی الانگلیند علی الھند (ز) الباب الدینی (ح) الباب السیاسی من ۱۸۵۷ الی ۱۹۱۳ (امیر شکیب کے تحائف کا خاص طور پر خیال کیجئے گا۔)

۳۔ ان کے بعد (ا) معرکہ الوحدۃ الاسلامیہ (ب) الحرکۃ السیاسیۃ الداخلیہ من ۱۹۱۳ الی ۱۹۲۶ (شردھانند کے قتل کے ذکر تک) تبییض شدہ میرے پاس موجود ہے۔ آپ اس کے بعد صاف کرائیں۔ آخری ابواب میں حضرت علامہ اقبال کی سیرت والا حصہ بھی "الفتح" کے دفتر میں موجود ہے۔

۴۔ میں تعلیمی باب ختم کر رہا ہوں۔ ایک ہفتہ کے بعد تبییض کے لیے بھیجوں گا۔ اس میں اعداد و شمار زیادہ ہیں اس لیے احتیاط کی ضرورت ہوگی۔

---

[1] مولانا مسعود عالم مرحوم نے "حاضر المسلمی الھند و غابرھم" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا مسودہ محب الدین الخطیب مدیر جریدہ "الفتح" (قاہرہ) کو طباعت کی غرض سے بھیجا تھا۔ مگر وہ کتاب طبع نہ ہو سکی، مولانا مرحوم کو مرحوم خطیب صاحب سے شکایت رہی کہ کتاب طبع ہوئی اور نہ مسودہ ہی واپس کیا۔ اس کتاب کے دو ابواب، مولانا مرحوم کی خواہش پر مکتوب الیہ مولانا محمد ناظم صاحب نے لکھے تھے اور ان ہی کے نام سے کتاب میں شامل ہوئے مگر ع
آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

آپ دونوں فصل ختم کر کے میرے پاس بھیج دیں تاکہ دیکھ کر پھر جلد از جلد واپس کر دوں۔ "ہندستانی"[1] کے ساتھ بعض انجمنوں (دار المصنفین، ترقیٔ اردو) کی کارگزاریوں پر مختصر تبصرے ہونا چاہئیں۔

تعلیم گاہوں پر تبصرے تعلیمی باب کے ساتھ ہوں گے۔ غالباً میں کافی لکھ چکا ہوں آج لکھنؤ ہوتا ہُوا ایک رجسٹرڈ خط امیر شکیب ارسلان کا ملا ہے۔ اس میں یہ بھی اطلاع ہے ان کی تالیف "السید رشید رضا و اخاء اربعین سنہ" میرے نام روانہ ہو چکی ہے۔ اگر رجسٹرڈ ہوگی تو خیر ورنہ احتیاط سے بھیج دیجئے گا۔ ممکن ہے امیر شکیب ارسلان کی بعض مولفات اور بھی آئیں۔ ابھی ان کو میرے موجودہ پتہ کا علم نہیں۔

خطیب[2] سے میں تنگ ہوں۔ اخبار میں لکھتا ہے "و لیطبع مستقلا فی مطبع" اور جواب ندارد۔ غالباً کچھ دینا نہیں چاہتا۔ چھاپنے کے لیے تیار ہے۔

کتابت وغیرہ کا حساب رکھیئے۔ جب رقم کی ضرورت ہو کسی مہینہ کے اختتام پر اطلاع دیجئے۔ (اگلے ماہ کے) آغاز میں بھیج سکوں گا۔

والسلام　　　　مسعود عالم

---

(۲)

دار العروبہ گوجرانوالہ　　　　صدیق مخلص

۶ صفر ۷۰ھ بروز جمعہ　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند دن ہوئے آپ کا خط ملا۔ لاہور میں مجلس شوریٰ تھی میں وہاں گیا ہوا تھا۔ پرسوں رات واپس آیا۔ تو آپ کا خط پڑھا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی

یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے "اخلاقی نقطۂ نظر"[3] کا ترجمہ شروع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

کیا سید صاحب[4] واقعی شنبہ کے روز بھارت روانہ ہو چکے؟ کیا آپ کو ان کے آئندہ

---

[1] غالباً ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد کی طرف اشارہ ہے۔

[2] محب الدین الخطیب مدیر "الفتح" جن سے "حاضر مسلمی الهند و غابرهم" کی طباعت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی۔

[3] مولانا مودودی کا کتابچہ اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر

[4] سید سلیمان ندوی مرحوم (م ۲۲ نومبر ۵۳ء)

ارادوں کے متعلق کچھ علم ہے یا نہیں؟ اگر اب تک جا نہ سکے ہوں تو سلام عرض کردیں۔

عزام[1] صاحب کے پہنچنے کی اطلاع اخبارات سے ملی تھی۔ تو ان کے نام ہم نے مبارکباد اور خوش آمدید کا خط لکھا۔ ان کا جواب آیا مگر لفافہ پر دار العروبہ گوجرانوالہ لکھا تھا مگر اندر خط کسی "المحترم الاستاذ ابراہیم محمد ابراہیم" کے نام تھا۔ آج ہی انہیں یہ خط واپس بھیج رہے ہیں۔ ملاقات ہو تو کم از کم سلام ضرور عرض کردیں۔

دراصل میں کراچی آنا چاہتا ہوں مگر مؤتمر اسلامی کے اجلاس کا منتظر ہوں۔ چاہتا ہوں کہ عزام صاحب کی ملاقات اور مؤتمر اسلامی کے اجلاس میں شرکت دونوں کام ایک ساتھ ہو جائیں بار بار جانا میرے لیے بڑا مشکل ہے۔ اگر آپ کے ہاں قیام کا انتظام ہو سکا۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے؟ سب سے مقدم آپ ہیں۔ اگر آپ کے ہاں قیام ممکن نہ ہوا — تو سلطان احمد صاحب[2] کے ہاں ٹھہروں گا۔ یہ وقت کی بات ہے۔ جیسا ہوگا دیکھا جائے گا۔

صحت ان دنوں بین بین چل رہی ہے۔ کچھ نزلہ اور کھانسی ہے۔ دعا میں ضرور یاد رکھا کریں۔ ہمارے کرمفرما دوست جناب حکیم نصیر الدین صاحب[3] کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ میرے جاننے والے حضرات بھی سلام قبول کریں۔

محمد عاصم سلام عرض کرتا ہے۔ اہلیہ کی خدمت میں سلام کہیئے۔ علی میاں سلمہ اللہ اور دوسرے بچوں کو دعا و پیار۔

والسلام

عاجز مسعود عالم، بقلم: محمد عاصم

---

(۳)

دار العروبہ۔ جماعت اسلامی
کوہاٹی بازار۔ راولپنڈی
۲-۱-۴۸

محب گرامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید کہ مزاج عالی بخیر ہو۔ چند دن ہوئے ایک خط ارسال کر چکا ہوں۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔ ہمارے پاس اب کوئی لغت نہیں رہی ہے۔ اس لیے بعض الفاظ کی تحقیق میں بہت

---

[1] عبدالوہاب عزام رح۔ سفیر مصر متعینہ پاکستان۔

[2] سابق رکن جماعت اسلامی پاکستان اور مولانا مرحوم کے گہرے دوست۔

[3] مالک نظامی دواخانہ۔ کراچی۔

وقت محسوس ہو رہی ہے اگرچہ یہ پہلے بھی تھی مگر اب تو بہت ہے اس لیے مندرجہ ذیل تین الفاظ کی تحقیق کر کے مطلع فرمائیں۔ ممنون ہوں گا۔

۱۔ میل (بمعنی عاطفہ ۔ عواطف) کی جمع کی امیال و میول آتی ہے؟ (دین حق ص ۳۱)

۲۔ استسلام کیا متعدی آتا ہے؟ (دین حق ص ۶-۷)

۳۔ ہم " LIGITMATE PROBLEMS " کا ترجمہ مسائل عالیہ یا نہائیہ کر رہے ہیں۔ آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

الحمدللہ صحت غنیمت ہے۔ دعا فرماتے رہیئے۔

رفقاء و احباب کی خدمت میں سلام کہہ دیجئے گا۔ عاصم اور شاہ صاحب سلام کہتے ہیں۔ علی اور اس کی بہنوں کو دعا۔

والسلام

عاجز مسعود عالم ندوی، بقلم عاصم کوثری۔

بنام ابوالحسن علی ندوی

(۴)

لہور اخورد بلتھرا روڈ
(بلیا)

۱۴ رمضان المبارک ۵۹ھ

محب مخلص سلام و رحمت

آپ کا محبت نامہ پنجشنبہ کو ملا۔ جب کہ میں سفر کے لیے پا بہ رکاب تھا۔ یہاں جمعہ کو پہنچا حسب دستور سفر کی تھکان سے طبیعت بدمزہ ہو گئی اور جواب میں تاخیر ہو گئی۔

لکھنؤ آؤں تو کس امید پر؟ جب گھر بیابان ہو رہا ہو تو پھر گھر جا کر کیا ہو؟ اس وقت دار العلوم میں کون ہو گا؟ گونڈ پہنچ کر لکھنؤ نہ جانا صدمہ تو ضرور ہو گا۔ رائے بریلی تو راستہ سے الگ ہے اس لیے سر دست سوال ہی نہیں اٹھتا۔ انشاء اللہ کسی اور فرصت میں۔

میرا مضمون اور محققانہ ایک ہی کہی۔ آپ جانتے ہیں کہ تحقیق اور ریسرچ کے بیلے میں نہیں پیا۔ اہوا تھا پہ "روٹی" کو کیا کروں؟ اللہ کوئی سامان کر دے تو اس ریسرچ اور مخطوطات میں آنکھیں پھوڑنے سے باز آجاؤں۔ "الفرقان"[1] کے لیے آپ کی خواہش اور حکم پر میں نے

---

[1] مولانا محمد منظور نعمانی کی ادارت میں پہلے بریلی سے شائع ہوتا تھا اور آجکل لکھنؤ سے روایتی آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی گاہے گاہے الفرقان میں لکھتے تھے۔

جو کچھ کر دیا ہے وہ میرے اصلی رجحان اور خیالات کا آئینہ ہے۔ "الندوۃ"[1] کے لیے یہ ریسرچ کتاب خانہ کے قیام کا احسان ہیں۔ حکم ہو تو ایسی تحقیق روزانہ کر سکتا ہوں۔ آپ "نیاز مندوں" کی درخواست اس لیے منظور نہیں ہوتی کہ آپ اپنی نیاز مندی کی بنا پر "الفرقان" کے لیے سخت بیگاری لے چکے ہیں۔ دوسری درخواست کی تعمیل بھی اس "نیاز مندانہ حدود" کے اندر ہونا چاہیے تھی۔ اگر میں جانتا کہ میرے پرانے "نیاز مندوں" کو مہمل قسم کی "ریسرچ" میں مزا آنے لگا ہے تو کب کا مضمون بچہ حاضر ہو چکا ہوتا؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے نیاز مندانہ رنگ کا مضمون مختصر نہیں ہو سکتا اور "الندوہ" میں لمبے مضمونوں کی گنجائش نہیں۔ بہر کیف کوشش کروں گا کہ ایک تحریر اپنے ذوق کی بھی حاضر کر دوں۔

ہاں ایک بات رہ جاتی ہے "اصاغر و اکابر" آپ سے کچھ تکلف نہیں...... اس گروہ میں سمجھ دار صرف دو آدمی ہیں "مفتی اعظم"[2] اور "محمد سجاد"[3] سو یہ لوگ بھی قارئین الندوہ کی کوئی علمی راہنمائی نہیں کر سکتے۔ مولانا سجاد اس جماعت کے گاندھی و جناح ہیں۔ جتنا میں ان سے واقف ہوں شاید ہی کوئی واقف ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مطالعۂ کتب کے باب میں وہ الندوہ، قارئین الندوہ اور طالبینِ ندوہ کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتے اور یہ محمد سجاد وہ شخص ہیں جس کی وسعتِ نظر، اصابت رائے وغیرہ وغیرہ پر علماء کی جماعت ایمان رکھتی ہے۔ ہمارے حفظ الرحمان[4] اور سعید احمد[5] سے اچھے صاحب نظر ہمارے عبد السلام[6] اور علی[7] ہیں۔ یہ میری ذاتی رائے ہے جو روز بروز پختہ ہوتی جاتی ہے "سخن ہائے گفتنی" لکھ کر بھیج دیجیے۔ ملاقات تو سر دست نہیں ہو رہی ہے۔ میں یہاں ۱۳ ر تک ہوں، ۱۷ اکتوبر کی صبح کو پٹنہ پہنچوں گا۔

"الفتح" کا وہ نمبر پٹنہ پہنچ کر بھیج دوں گا۔ "اصاغر و اکابر" کا سلسلہ ناقص اور نامکمل ہو گیا۔ بہت لمبی بحث ہے۔ بہر حال آپ کی رائے مجھ سے اچھی اور پختہ ہو گی۔ میں نے ضابطہ کا پروٹسٹ کر دیا ہے۔ ممکن ہے "اصاغر و اکابر" کے بارے میں، میں سلجھا کر نہ لکھ سکا ہوں۔ بہر حال اپنے کو اس سوال کے جواب کا اہل نہیں پاتا۔ یہ صاف بات ہے گستاخی معاف! والسلام

زوجین کا سلام زوجین کو۔ آپ کا مسعود

---

[1] دار العلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان۔ مکتوب الیہ اس کے مدیر تھے۔ [2] مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ (م ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء) صدر جمعیت علمائے ہند۔ [3] ابو المحاسن محمد سجاد امیر شریعت صوبہ بہار۔ [4] حفظ الرحمٰن سیوہاروی (م ۱۹۵۹ء)۔ [5] مولانا سعید احمد دہلوی (م ۱۹۵۹ء)۔ [6] عبد السلام قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ [7] مکتوب الیہ ابو الحسن علی ندوی۔

(۵)

اورنٹیل پبلک لائبریری
بانکی پور پٹنہ　　　　مسعود نواز　　　　سلامِ شوق

نباہ کا شبہ اور مسعود بے نوا سے! اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔ یہ گنہ گار "نباہ" اور تعلقات کی استواری میں خام ثابت نہیں ہوگا۔ دارالعلوم کے زمانۂ قیام میں برادرانِ یوسف اور گھناؤنی پست سیاست کے علمبرداروں کے باعث، ممکن ہے مجھ سے کبھی بداخلاقی یا بے عنوانی ہو گئی ہو ورنہ اس ہیچ میرز کا دامن کم از کم آدابِ نفاق و ریاء کی آلودگیوں سے پاک ہے۔ والعلم عند اللہ وھو اصدق الشاھدین۔

شبلی صاحب[1] کو نہ لکھا اچھا کیا؟ وہ شعبان ہی میں انکار کر چکے تھے۔ صرف میرے اصرار کے باعث انہوں نے حامی بھر لی تھی۔ حیدرآبادی بھائی کے وعدوں پر جی رہے ہیں اللہ مبارک کرے اور ہر رنگ میں کامیاب و بامراد بنائے۔ "حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است وبس"۔ ...... صاحب بہت مسرور ہوں گے۔ یہاں بعض جگہوں کے لیے درخواست دے گئے ہیں میں نے انہیں از خود اطلاع کر دی تھی کہ میرے چلے آنے کے بعد ان کا تقرر لازمی ہے۔ باہر کا آدمی لائق کم معاوضہ میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے ...... کے سوا کوئی ہماری جماعت میں نہیں جسے آپ لے سکیں۔ اچھے اچھے علماء اور حاملینِ اقلام کی عبارت خوانی تک قابلِ مضحکہ ہے نام کیا لوں؟ آجکل بھی ایسی مثالیں سامنے ہیں پھر زعمِ ہمہ دانی پر اور ہنسی آتی ہے۔

میرے لیے راحت اور سکون کے اسباب ضرور فراہم ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ندوہ کی ناپاک اور خسیس ترین عداوتوں سے دوچار رہنے کے بعد، خوبصورت الماریوں اور بے زبان سنہری جلدوں کی صحبت بس غیر مترقبہ معلوم ہوتی ہے۔ ندوہ کی محبت یہاں آنے سے کم نہیں ہوئی بلکہ اور بڑھ گئی ہے۔ آؤں گا دو چار روز رہوں گا اور ان دنوں میں کسی درجہ میں پڑھاؤں گا بھی۔ لیکن ملازم ہو کر صرف مجبوری اور پریشانی کی حالت میں آ سکوں گا۔ ایک رونا ضرور ہے وہ ہے ندوہ کی تباہی کا ـــ اللہ نے مجھے داروغۂ مطلق تو بنایا نہیں۔ اس خیال سے خاموش ہوں اور خاموش رہتا ہوں ـــ بہرحال چار ماہ کی رخصت تو منظور ہو ہی چکی ہے۔ اس اثنا میں کوئی فیصلہ کر لوں گا۔ اغلب یہ ہے کہ مستعفی ہو جاؤں یوں مستقبل

[1] شبلی مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

کا حال اللہ کو معلوم ہے، ممکن ہے، مرضی مولیٰ میرے گناہوں کی پاداش میں دو چار ماہ کی سزا اور دے دے، علی میاں، جس ماحول میں نفس انسانی اور اغراض کی پرستش ہوتی ہو وہاں ایک خود دار سکون سے نہیں رہ سکتا۔ داستان طویل ہے۔ پھر کبھی۔ میں ندوہ کی رام کہانی سننے کا مشتاق ہوں۔ بلکہ دل ادھر ہی لگا رہتا ہے۔ ابھی میری ڈاک لائبریری ہی کے پتہ سے آتی ہے اس لیے کارڈ میں کوئی قابلِ اخفاء بات ہو تو عربی میں لکھیئے ورنہ لفافہ۔

تفصیل سے سننے کا منتظر　　　　مسعود بے نوا

۱۶/۱۲/۶۲ء

(۶)

محبِ گرامی　　　　سلام و تحیات فراواں

آپ کے عنایت نامے رہائی کے بعد نظر سے گزرے۔ محبت و اخلاص کے نقوش اور گہرے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خدمتِ دین کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا کرے۔ مجھ فقیر کے لیے یہ بس کرتا ہے کہ ایک پاک باز نوجوان سید کے دامنِ الفت سے وابستہ ہے دوسرا خط بھی مل گیا۔ شکریے پر شکریہ۔ کیا گرفتاری اور کیا رہائی؟ سیرت نگاری کرتا رہا۔ مولوی جعفر تھانیسری[۱] اور مولانا یحییٰ علی[۲] کی۔ یہ میٹھی میٹھی گرفتاری اور بی کلاس کی آسائشیں کس شمار میں ہیں؟ حاشا اگر ابتلاء کو دعوت نہیں دیتا اور نہ اس مریضِ ناتواں میں برداشت کی طاقت ہے۔ پر یہ مہمانی جچتی نہیں۔ بس سیاسی زبان میں زیارت (یاترا) ہو گئی۔ جھجک تو الحمدللہ کبھی نہیں تھی اور کچھ چھپی چھپائی ہو گی تو وہ بھی دور ہو گئی۔

اس تنہائی میں کچھ حدیث پڑھ لی۔ اللہ کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔ کل لاہور جا رہا ہوں پھر کبھی اطمینان سے۔

والسلام　　　　عاجز مسعود

---

[۱] مولوی جعفر تھانیسری مؤلف "کالا پانی" [۲] مولوی یحییٰ علی مقدمہ انبالہ (۱۸۶۴ء) میں ماخوذ ہوئے اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈیمان پہنچے۔ وہاں فرصت کے اوقات میں لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے اور نیکوکاری کی تلقین کرتے تھے۔ دورانِ قید ۲۰ فروری ۱۸۶۸ء کو وفات پائی۔ مولانا مسعود عالم ندوی رح نے "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں ان مجاہدینِ اسلام کی کوششوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

بنام سیّد سلیمان ندوی

(۸)

سیّدی و مخدومی ادام اللہ ظلکم علیٰ رؤس المسلمین

۱۳ مارچ[1] کو لکھنؤ پہنچا۔ حالات تکلیف دِہ محسوس ہوئے چار روز رہا اور ہر ہر فرد سے ملنے کی کوشش کی اور مایوس ہوا۔

سب سے پہلی بات یہ کہ حافظ عمران خاں صاحب سے کوئی مدرس یا طالب علم خوش نہیں۔ و لا استثنیٰ منہم احداً سواء من اسر القول او جھر بہ۔ بس فرق یہی ہے کہ کوئی کہتا ہے اور کوئی صبر کرتا ہے۔ علی میاں، محمد ناظم صاحب، عبدالسلام صاحب کی طرح ان کا علمی رعب بھی نہیں۔ موجودہ خلفشار کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی ہے۔

اس ضمن میں بعض جزئی باتیں بھی آگئیں۔ طلبہ اور مدرسین یہ کہتے تھے کہ ندوہ کو اس کے مقاصد سے ہٹایا جا رہا ہے۔ جرح پر بعض مثالیں دیں۔

(۱) انگریزی کو لازمی سے اختیاری کرنے کی کوشش۔

(۲) الاصلاح[2] پر ضرورت سے زیادہ پابندی۔

"کبھی فرصت سے سن لینا
بڑی ہے داستاں میری"

ابھی تک نہیں ہوئی اور قبل از وقت ہے
اس کی وجہ بھی (۳) سے تعلق رکھتی ہے

---

[1] مارچ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک خطرناک سٹرائک ہوئی۔ مولانا مسعود عالم مرحوم انجمن طلبہ قدیم ندوہ کے نمائندے کی حیثیت سے ندوہ کی مجلس انتظامی کے رکن تھے۔ انجمن طلبہ ندوہ کا "تار" ملنے پر لکھنؤ گئے۔ مگر حضرت الاستاذ سیّد صاحب کی آزردگی کا خوف بھی لاحق تھا۔ اس وقت دارالعلوم کے نظم و نسق کی ذمہ داری یکسر اُن ہی کے کندھوں پر تھی۔

مولانا مرحوم نے دارالعلوم میں صورتِ حالات دیکھ کر سیّد صاحب کو کارڈ لکھا اور سیّد صاحب نے بین السطور جواب لکھ دیا۔ مولانا مرحوم نے اپنے کسی خط کی نقل کبھی نہیں رکھی تھی۔ یہ مکتوب کلماتِ سیّد رح کے طفیل محفوظ رہ گیا۔

پہلے کالم میں مولانا مرحوم کا مکتوب ہے اور دوسرے کالم میں سید صاحب کے مختصر کلمات۔

[2] طلبہ کی یونین (جمعیت الاصلاح)۔ [3] ایک لفظ پڑھا نہیں جاسکا۔

(III) اس کا چندہ دفتر سے وصول نہیں کیا جاتا۔	اس کی بھی وجہ ہے اور وہ گرانی ہے
(IV) عربی جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔	اس کی وجہ طلبہ اور مولوی ناظم اور علی میاں سے پوچھیے۔
(V) منطق کے اضافے کی کوشش	کذب صریح
(VI) کھیل کے بند کرنے کا خیال	غلط
(VII) دار الطعام کو طلبہ کے ہاتھ سے نکال لینا وغیرہ اور غیر مستطیع طلبہ کے ساتھ "عدمِ اخفاء" کی شکایت تو عرصہ سے ہے اور میں خود دیکھ چکا ہوں۔	اخفاء ناممکن ہے۔ میں بھی رہا ہوں۔
عمران خاں صاحب نے بعض چیزوں کا اعتراف کیا اور بعض کی تردید۔ جن چیزوں کا اعتراف کیا ان کی نسبت اپنے افسروں کی طرف داری کی۔ جیسے انگریزی کو اختیاری کرنے کا خیال۔	اس کی وجہ جو میرے ذاتی خیال پر مبنی ہے۔ جو تھانہ بھون کا اثر نہیں بلکہ عہدِ قدیم سے ہے۔ مگر بہر حال اس کا اجرا نہیں کیا گیا۔ کیا ذاتی خیال بھی منع ہے ؟
میں نے سرسری طور پر چند باتیں عرض کر دی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مکمل تحقیق اور Overhauling. کی ضرورت ہے۔	
اسٹاف دن بدن گر رہا ہے۔ جو اہلِ علم ہیں وہ بددل ہیں۔	علاج بتائیے ؟
علی میاں بھی ان ہی حالات سے تنگ آ کر الگ ہوئے ہیں اور الگ رہنا چاہتے ہیں۔	غلط ہے۔
گو ابھی ایک سال کی چھٹی لی ہے عمران صاحب کی نااہلیت پر ان کا بھی اتفاق ہے۔ ایک عالم کے بجائے ان کا برتاؤ پولیس افسر کا ہے۔	مدرسین کے عدمِ اعانت کی حالت میں اس کی ضرورت ہے۔

گو یہ ہنگامہ غلط طور پر شروع ہوا ہے اور آتش زدگی کی حرکت انتہائی شرمناک تھی لیکن درمیان میں اصولی اور اہم

باتیں آگئی ہیں۔ جن پر جناب کی توجہ فرمائی کی ضرورت ہے۔
عاجز اعظم گڑھ ہو کر تفصیلات عرض کرنا چاہتا تھا کہ کاشغری صاحب کا تار ملا۔ جس میں انہوں نے ہمارے ڈاکٹر کی بنارس میں موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ رخصت ختم ہو رہی تھی۔ میں سیدھا بنارس پہنچا۔ مولوی عبدالمجید[1] صاحب کے توسط سے آسانی ہو گئی اور ڈاکٹر سے مل کر پرسوں رات واپس آیا ہوں۔

خادم طلبہ قدیم اور نمائندہ طلبہ قدیم کی حیثیت سے گیا تھا لیکن نظامت اور اہتمام دونوں نے انتہائی سردمہری برتی۔ اگر واقعی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ دارالعلوم سے بے تعلق ہو جائیں تو ایک بار صاف طور سے کہہ دینا چاہیئے ہم اتنا دور رہ کر کیوں دردِ سر مول لیں اور دن رات نام رٹا کریں۔ ایک سال سے رکن ہوں لیکن کسی کام کی چھوٹی بڑی اطلاع بھی نہیں ملی۔ واہ رے ادارہ اور واہ رے رکنیت چونکہ ہر موقع پر جناب کا نام لیا جاتا ہے اس لیے ہم لوگ خاموش ہو جاتے ہیں۔ والسلام

خادم مسعود عالم ندوی

بنام نامعلوم الاسم

(۸)

برادرِ عزیز سلام شوق

پرسوں آپ کا محبت نامہ ملا۔ جواب فوراً دیتا مگر ان دنوں میری صحت اس درجہ خراب ہے کہ کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ اسی لیے دو روز انتظار کرتا رہا۔ بات یہ ہے کہ نواب[2] شروانی بالقابہ

---

[1] مشہور عالم اور ادیب مولانا عبدالمجید حریری ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ)
[2] نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی (م ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء)

کی خدمت میں ایک عرصے سے کوئی عریضہ گزراننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اب لکھا جائے تو کیا اور کس تقریب سے؟

مگر یہ انتظار کی مدت کب تک؟ اس لیے آج کتاب خانہ آتے ہی پہلا کام یہ کر رہا ہوں۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ نے پٹنہ چھوڑا۔ یہ بڑا اچھا کام کیا آپ اس کا فائدہ دو تین برس کے بعد محسوس کریں گے۔ بہار کے رہنے والے اپنی کوتاہیاں نہیں محسوس کرتے۔

محبی سید الطاف علی صاحب کی عنایات کا شکریہ کہاں تک ادا کر سکتا ہوں؟ "مصنف"[1] کا چوتھا نمبر واقعی بہت بلند اور ستھرا اور اس نے اردو رسالوں کی صف میں اپنی خاص جگہ پیدا کر لی ہے۔ میں اسے اپنی سعادت خیال کروں گا اگر اس کی کوئی خدمت کر سکا۔ مگر ہماری لائبریری کا حال آپ کو معلوم ہے۔ آج تک "اسلامک کلچر"[2] یہاں نہیں آ سکا۔ حالانکہ قاسم صاحب مجھ سے بارہا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہ تو اللہ بھلا کرے۔ معارف[3]، ترجمان[4] اور میگزین[5] کے اداکاروں کا۔ کہ اُن کی عنایت سے، ہم غریب بھی کچھ پڑھ لیتے ہیں۔

میں ان دنوں امام شافعی کی کتاب الرحلۃ میں لگا ہوا ہوں۔ محب الدین خطیب[6] نے ۱۳۵۰ھ میں قاہرہ سے طبع کیا تھا۔ مگر بہت غلط۔ اس کے دو نسخوں کا برو   نے حوالہ دیا ہے۔ مگر وہ بیرونِ ہند ہیں۔ ازراہِ کرم آپ مولانا میمن صاحب[7] مدظلہٗ سے دریافت فرمائیے۔ اس نیازمند کا سلام عرض کر کے اور اسی کی طرف سے۔

۱۔ آپ کے علم میں اس کا کوئی صحیح نسخہ موجود ہے؟

---

[1] جناب سید الطاف علی بریلوی کے زیرِ ادارت علی گڑھ سے شائع ہونے والا سہ ماہی مجلہ۔

[2] "اسلامک کلچر" (حیدر آباد) وقیع علمی پرچہ تھا۔

[3] "معارف" ــــ دار المصنفین اعظم گڑھ کا ترجمان مولانا سید سلیمان ندوی (م ۲۲ نومبر ۵۳ء) کے زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔ سید صاحب کے پاکستان ہجرت کر آنے کے بعد شاہ معین الدین ندوی ادارت کے فرائض انجام دینے لگے۔ [4] "ترجمان القرآن" اپنی روایات قائم رکھے سید مودودی کی زیرِ ادارت لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔ [5] علی گڑھ میگزین۔

[6] مدیر ہفت روزہ "الفتح" (قاہرہ) مولانا مرحوم "الفتح" کے لکھنے والے تھے اور خطیب سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ خطیب نے کئی کتابوں کی ترتیب و تدوین کی ہے۔ ان کے حواشی اور تعلیقات سند سمجھے جاتے ہیں۔ [7] مولانا عبدالعزیز میمن اُن دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ریڈر تھے۔

۲- کیا یہ کتاب الرحلۃ[1] یا رحلۃ الامام الشافعی الی المدینۃ المنورۃ واقعی نہیں

[1] سفر نامہ امام شافعی کو امام بیہقی، امام رازی اور امام سیوطی نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ یہ تینوں حضرات شافعی المسلک تھے۔ اور شافعیت میں اُن کو ایک حد تک غلو تھا۔ اس لیے ان حضرات نے امام شافعیؒ سے متعلق روایات کی تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا۔ امام سیوطی کے بارے میں تو حاطب اللیل (ہر قسم کی رطب و یابس روایات جمع کرنے والا) کا جملہ مشہور ہے۔

اہلِ تحقیق نے سفر نامہ کو جعلی اور موضوع قرار دیا ہے۔ اس کے جعلی ہونے پر مضبوط شواہد موجود ہیں۔ مثال کے طور پر:

اولاً۔ یہ سفر نامہ دو افراد عبداللہ بن محمد البلوی اور عبدالرزاق حمران البطین نے مرتب کیا ہے۔ عبداللہ بن محمد البلوی کے بارے میں امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں امام دارقطنی کا قول نقل کیا ہے کہ "عبداللہ بن محمد البلوی وضّاع تھا اور موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔

عبدالرزاق حمران البطین اور اس کے نیچے کے راوی احمد بن محمد دونوں مجہول ہیں۔ رجال و طبقات یا تاریخ و تذکرہ کی متداول کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ ان کے نیچے کے راوی احمد بن الفارسی کا حال بھی یہی ہے۔

ثانیاً۔ حافظ ابن عبدالبر، ابن کثیر، خطیب بغدادی، امام ذہبی اور امام نووی وغیرہ نے امام شافعی کے حالات لکھے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے اس سفر نامے کا ذکر نہیں کیا۔ امام نووی نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ اُن کا سفرِ مدینہ بہت مشہور ہے اور اسے کسی نے مرتب کر دیا ہے۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے اصل سفر نامے کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا مگر اس کے ایک جزو پر تنقید کی ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کی امام شافعیؒ سے ملاقات ثابت نہیں جبکہ اس سفر نامے میں دونوں کی ملاقات اور مناظرے کا ذکر موجود ہے۔

ثالثاً: اس سفر نامے میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جس زمانے میں امام مالک کی خدمت میں موجود تھے۔ مصر کے تشنگانِ علم کا ایک قافلہ امام مالکؒ کے پاس سماعِ حدیث کے لیے آیا۔ جن میں عبداللہ بن حکم۔ اشہب، ابن قاسم اور لیث بن سعد شامل تھے اور امام مالکؒ نے ان حضرات کو موطا املا کرائی۔ اس بیان کا ایک ایک لفظ غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ امام مالک درسِ حدیث کے بارے میں نہایت محتاط تھے۔ وہ اپنی روایات، جن کے حافظ تھے کبھی زبانی املا نہیں کراتے

(باقی ص ۵۵ پر)

کی املا کرائی ہوئی ہے؟

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴) تھے بلکہ پہلے انہیں لکھ لیتے تھے اور پھر مجلس درس میں پیش کرتے تھے اس لیے ان کا زبانی "موطا" املا کرانا خلافِ واقعہ ہے۔

جن لوگوں کو امام مالکؒ کی مجلس میں دکھایا گیا ہے۔ ان میں سے لیث بن سعد کے بارے میں جملہ تذکرہ نگار متفق ہیں کہ اُن کی امام شافعیؒ سے ملاقات نہیں ہوئی اور امام شافعی کو زندگی بھر اس کا افسوس رہا۔

عبداللہ بن حکم کا سنِ ولادت ۱۵۵ھ ہے۔ امام شافعیؒ مدینہ منورہ ۱۶۳ھ یا ۱۶۴ھ میں گئے تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں عبداللہ بن حکم کا موطا کی سماعت کے لیے مصر سے سینکڑوں میل دُور مدینہ منورہ جانا بعید از عقل ہے۔ اسی طرح ابن قاسم اور اشہب امام شافعی کی آمد سے بہت پہلے امام مالکؒ کی خدمت میں رہ چکے تھے۔

رابعاً: سفرنامہ کی روایت ہے کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کی خدمت میں آٹھ ماہ رہنے کے بعد عراق گئے۔ اور عراق میں امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ سے انہوں نے مناظرہ کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے بربنائے اختلاف رائے امام شافعیؒ کے قتل کی سازش کی۔

یہ روایت تاریخی اعتبار سے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ امام شافعیؒ ۱۶۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے وہاں سے بسلسلۂ ملازمت یمن چلے گئے اور ایک سازش کے الزام میں گرفتار ہو کر ۱۸۴ھ میں عراق آئے۔ سازش کے الزام سے بری ہونے کے بعد امام محمدؒ کی خدمت میں آگئے تھے۔ جملہ تذکرہ نگار متفق ہیں کہ امام ابویوسفؒ کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا تھا۔ ظاہر ہے ان کی آمدِ عراق سے دو سال پہلے وفات پانے والے شخص سے مناظرہ کی حقیقت کیا ہے اور قتل کی سازش سوائے افتراء و الزام کے اور کیا ہے؟

خطیب بغدادی، حافظ ابن عبدالبر، ابن کثیر، ابن حجر اور امام ذہبی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے درمیان کوئی معاصرانہ چشمک نہیں تھی بلکہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے علمی استفادہ کیا تھا اور ان کے تعلقات ایک ذہین شاگرد اور لائق استاد کے تھے۔

خامساً: سفرنامے میں امام محمدؒ کے پُر تکلف گھر کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ امام محمدؒ ایسے متقی اور زاہد کے گھر کا نہیں بلکہ کسی عباسی حکمران کے خلوت سرا کا معلوم ہوتا ہے۔ امام محمدؒ نے اپنی آبائی دولت طلبہ اور غریبوں میں تقسیم کر دی تھی اور نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے۔

(باقی ص ۵۶ پر)

۳- کتاب الرحلۃ اور عام تذکرہ نگاروں کے بیان میں تعارض ہو تو کسے ترجیح دی جائے گی؟ اگر رحلۃ Guinine ہے تب تو اس کے بیان کو ترجیح ہوگی۔

نیز مسلم یونی ورسٹی اور حبیب گنج میں بھی دریافت کیجئے۔ اُمید ہے کہ یہ علمی خدمت آپ بخوشی انجام دیں گے۔ میں اسے اِڈٹ کرنا چاہتا ہُوں۔ اردو اور عربی دونوں میں۔ حواشی اور مقدمہ میں تو بہت فرق ہوگا۔ باقی سفر نامے کا اردو ترجمہ کر لیا جائے گا۔ اردو ترجمہ مع حواشی و مقدمہ (در اردو) تو جلد طبع کرانے کا قصد ہے۔ البتہ عربی ایڈیشن جب تک کوئی اچھا نسخہ نہ ملے ملتوی رہے گا۔ اگر الطاف صاحب پسند کریں گے تو یہ اردو ایڈیشن "معاصر" کے لیے حاضر کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کے الگ طبع کرانے کا حق "مکتبہ اسلامی۔ لہریا سرائے دربھنگہ" کے لیے محفوظ ہو۔ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔ وہ بھی دوست ہیں۔

ہاں، معاصر[۱] میں تبصرہ! تو بھائی وہ تو بہت آسان تھا۔ مگر اب! آپ تو سب جانتے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵ پر) ساد ساً: سفر نامہ میں ایک بالکل فرضی بات یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ حران سے چلے تو ایک امیر نے کافی دولت انہیں ہدیہ کی جسے وہ راستہ بھر اہلِ علم میں تقسیم کرتے رہے اور جن اہلِ علم کو خاص طور پر انہوں نے اس دولت سے نوازا۔ ان میں امام احمد بن حنبلؒ، سفیان بن عینیہ اور امام اوزاعی بھی تھے۔ احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ ۱۷۱ھ سے پہلے کا بیان کیا جاتا ہے۔ امام احمد نے سات سال سے کم عمر میں حصولِ علم کے لیے کوئی سفر نہ کیا تھا۔ سفیان بن عینیہ ۱۵۰ھ سے پہلے مکہ چلے گئے تھے اور پھر حجاز سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اور اس سفر میں امام شافعی کا حجاز آنا بھی ثابت نہیں۔ اس لیے سفیان بن عینیہ پر "کرم نوازی" ممکن نہیں۔ اس طرح امام اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی جب کہ امام شافعیؒ کی عمر سات سال تھی۔

سابعاً: سفر نامے میں امام مالکؒ کی "مُسرفانہ زندگی" کا ذکر ہے کہ اُن کے پاس تین سو لونڈیاں تھیں جن میں سے ہر ایک کی باری سال میں صرف ایک بار آتی تھی۔ اس کے علاوہ امام موصوف کے پاس تین سو جوڑے مکلّف کپڑے اور ہزاروں دینار صندوقوں میں بند تھے۔ اس کے برعکس جملہ سوانح نگاروں نے ان کی سادہ اور زاہدانہ زندگی کا بیان کیا ہے۔

ان دلائل و شواہد کی بنا پر "سفر نامہ امام شافعی" کو جعلی قرار دیا گیا ہے اور اسی لیے بعد ازاں مولانا مسعود عالم نے ترجمہ شائع نہیں کرایا۔ تاہم عبد الرزاق ملیح آبادی کے قلم سے ندوۃ المصنفین کی طرف سے ترجمہ شائع ہو گیا ہے۔

[۱] ماہنامہ "معاصر" پٹنہ

ہیں۔ تبصروں کے انچارج قاضی صاحب ہیں اور میرا آنا جانا ان کے ہاں نہیں۔ خود پہل کرنا مناسب نہیں۔ رہے عسکری صاحب! وہ اختر اور نیویؔ والے مضمون کے سلسلے میں الگ شرمندہ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا کہ جوابی مضمون چھپ کر رہے گا۔

I will see it published ان کے الفاظ تھے مگر وہ نہ چھپوا سکے۔ آخر وہ "ندیمؔ" میں چھپا۔ اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

نمبر ۱۔ آپ قاضی صاحب کو "مصنف" بھیجیں اور آپ کی تحریر کے مطابق وہ "مصنف" میرے پاس تبصرہ کے لیے بھیج دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ خود تبصرہ کر کے قاضی صاحب کو بھیج دیں وہ "معاصر" میں چھاپ دیں گے۔ یہ آسان ہو گا۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ اپنے علی گڑھ کے تاثرات سے ضرور محظوظ کیجیے۔

۲۶ اگست ۴۳ء (پٹنہ) والسلام مسعود عالم ندوی

بنام سید الطاف علی بریلوی

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محبّ مخلص۔ سلام و تحیات

ایک دور افتادہ مریض اور بدحال یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ مسلسل علالت نے کمر توڑ دی ہے۔ ادھر بہت شدّت تھی۔ کل سے کچھ افاقہ ہے۔ دعا کیجیے کہ جاں آفرین اس تنِ خاکی میں بھی کچھ جان بخشے۔

"مصنف" کا چوتھا نمبر ملا تھا۔ شکریہ کب تک اور کس زبان سے ادا کروں بہر حال بلا کسی تکلّف اور تصنّع کے کہتا ہوں کہ رسالہ خوب ہے اور اچھے اردو رسالوں کی صف میں اچھا اضافہ ہے اور مضامین کے تنوع کے لحاظ سے تو شاید فرد ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے کاغذ کی ہوش رُبا گرانی میں زندگی قائم جائے تو یہ آپ کی کرامات میں شمار ہو گا۔

لہ مشہور ناول نگار، شاعر اور نقاد ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں اورینہ (ضلع مونگیر) میں پیدا ہوئے۔ اردو میں ایم اے کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں پٹنہ میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ملازمت سے علیحدگی کے بعد علمی و ادبی مشغلہ جاری ہے۔ ماہنامہ "مریخ" پٹنہ کے ادارۂ تحریر میں شامل ہیں۔

ؔ حاشیہ مکتوب نمبر گیارہ دیکھا جائے۔

امام شافعی کا سفر نامہ / مسودہ بے ترتیب رکھا ہے۔ مقدمہ باقی ہے اور اس کے لیے کچھ مطالعہ بھی۔ صحت کا یہ عالم کہ کتاب خانہ کا مفوّضہ کام بھی مشکل ہی سے انجام پاتا ہے۔ حسب وعدہ سفر نامہ نذرِ "مصنف" ہوگا مگر کب[1]؟ نہیں کہہ سکتا۔

امید کہ مزاج عالی بخیر ہو۔ پُرسانِ حال کی خدمت میں بہت بہت سلام۔ محترمی مولانا اکرام اللہ خاں صاحب اور مولانا گیلانی اور مولانا انتظام احمد صاحبان کی یاد آوری کا دلی شکریہ اور سلامِ شوق۔

والسلام

۱۹ ذی قعدہ ۶۲ھ (مہندور۔ پٹنہ)

مسعود عالم ندوی

---

(۱۰)

۱۹ فروری ۱۹۵۴ء

محبّی و مکرّمی بریلوی صاحب

سلام مسنون

ایک مدت کے بعد "العلم[2]" کی زیارت ہوئی۔ اور آپ کی یاد بھی تازہ ہوئی۔ پڑھا اور جی خوش ہُوا۔ ماشاء اللہ معیار خاصا بلند ہو گیا ہے۔ یوں پہلے بھی پست نہیں تھا۔ سید ہاشمی صاحب کی تاریخ سے منتشر مواد کو خوب یک جا کیا ہے۔ میں نے اسے خاص طور پر حرف بہ حرف پڑھا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ آپ اور ہم دونوں پاکستان میں ہیں۔ مگر اب تک تجدیدِ ملاقات نہیں ہوئی۔ میں بھی اس کوتاہی پہ قصور وار ہوں۔ اب کی پہلی مارچ کو کراچی آنا پڑ رہا ہے۔ آپ کی تلاش کروں گا۔ میرا قیام نظامی دواخانہ فریئر روڈ پہ ہوگا۔ بڑی مرکزی جگہ ہے آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ امید کہ مزاج عالی بخیر ہو گا۔ میں بھی زندہ ہوں۔

نیاز مند : مسعود عالم

بنام وحید قیصر ندوی

(۱۱)

مہندور پٹنہ ۸ جمادی الاول (۶۳ھ)

الاخ العزیز

سلام و رحمت

آپ کا دوسرا کارڈ بھی وقت پر مل گیا۔ میں ہر طالب علم کی خدمت کو حاضر ہوں۔ اس

---

[1] مولانا مرحوم کا یہ مسودہ زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکا اور دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ [2] آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا سہ ماہی علمی مجلہ جو مکتوب الیہ کی ادارت میں چھپتا ہے۔

لیے کہ اب تک خود طالب علم ہوں وَ الحمدُ للہِ اور پھر جب ندوہ۔ کا تعلق بھی موجود ہو۔ گو پچھلے سالوں کے واقعات[1] نے مجھے اس دائرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جب میکدہ میں جگہ نہیں تو پھر مسجد و خانقاہ ہی کو کھٹ کھٹا کر دیکھا جائے اگرچہ عقیدہ اب تک وہی ہے کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے۔ سہیل صاحب[2] رپانگ کی اونچائیوں سے رانچی کی وادی میں شاید اُتر آئے ہوں۔ آپ ان سے ملتے رہیئے۔ کچھ ان سے لیجئے اور کچھ انہیں دینے کی بھی کوشش کیجئے۔ ہر سوسائٹی میں جاکر منفعل ہونا دانش مندوں کا کام نہیں پھر آپ سے تو بڑی توقعات ہیں۔ سبھوں سے ملیے جو چیز لینے کی ہو ضرور لیجیے۔ حکمت تو مومن کی گمشدہ نعمت ہے جہاں اس کا سراغ ملے اس کے لیے تگ و دو کرنا چاہیئے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہ جو حق سے بےخبر ہیں۔ انہیں اپنے علم اور عمل کے مطابق باخبر کرنے کی کوشش بھی ہونا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں جائیے اپنی انفرادیت قائم رکھیے۔ ہم نے بہت رنج کے ساتھ محسوس کیا ہے کہ طلبہ ندوہ بھی اپنی انفرادیت کھوتے جا رہے ہیں۔ اِلّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ

ہاں! تو کہنا یہ تھا کہ سہیل صاحب سے ملیے اور میرا سلام کہیئے۔ "ندیم"[3] کا مدفن شاید برقی پریس ہی کے لیے تنہا مقدر تھا۔ کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کرے میرا خیال غلط ثابت ہو ہو۔ آپ پٹنہ آئیں اور ضرور آئیں اگر موقع ہو۔ غریب خانہ حاضر ہے۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں سلام شوق عرض کیجئے اور بھی اگر کوئی جاننے والے یا ملنے والے ہوں۔

والسلام : مسعود عالم ندوی

خط و کتابت کے متعلق ایک بات عرض کر دوں۔ یوں تو میں جواب دینے میں بہت

---

(۱) مکتوب نگار دار العلوم ندوہ میں عربی ادب کے استاد تھے۔ دار العلوم کے بعض منتظمین سے اختلاف کی وجہ سے استعفیٰ دے کر پٹنہ چلے گئے اور خدا بخش اورنٹیل لائبریری کی ملازمت اختیار کر لی۔

(۲) بہار کے مشہور افسانہ نگار۔ (۳) گیا (صوبہ بہار) سے چند باذوق اور دولت مند تاجروں نے ایک ادبی پرچہ اس نام سے جاری کیا تھا۔ مولانا عبد القدوس ہاشمی (حال لائبریرین ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) مدیر مسئول تھے۔ پہلا پرچہ مئی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد رسالہ مولانا سید ریاست علی ندوی نے خرید لیا۔ مولانا سید ریاست علی اس پرچے کو سہیل عظیم آبادی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے تھے سہیل صاحب سے معاملہ نہ ہو سکا تو انہوں نے سید محی الدین ندوی مالک برقی پریس پٹنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سید محی الدین ندوی نے کافی دنوں رسالہ چلایا مگر تقسیم ملک کے کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔

Prompt ہوں مگر اب یہ ترمیم کردی ہے کہ بے ضرورت خط نہ لکھوں۔ تو جن خطوط سے کام متعلق ہوں گے ان کے جواب جائیں گے۔ باقی میں خاموشی "یہ برتاؤ" میرا تمام احباب کے ساتھ ہے اور اس کی توقع اُن سے بھی کرتا ہوں۔
م۔ع

---

(۱۲)

مہندور پٹنہ

۶۳/۵/۲۷ ہجری

برادر عزیز سلام و رحمت

کارڈ ملا۔ شکریہ۔

آپ کے "ابتلاء"[۱] کی داستان عبدالماجد صاحب[۲] کی زبانی معلوم ہو چکی تھی۔ اللہ اپنا رحم کرے۔ "ندیم" کے متعلق سہیل صاحب سے پوچھ لیجیے۔ ان کا معاملہ طے نہیں پا سکا اس لیے اب مجھے بھی اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔

اب آپ مضمون نہ بھیجیں۔ ہوں اگر پٹنہ آنا ہو تو ساتھ لا سکتے ہیں۔ باقی خیریت ہے اپنے والد ماجد کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

محبی سہیل صاحب سے اگر ملاقات ہو تو سلام پہنچا دیجیے۔ والسلام

عاجز: مسعود عالم ندوی

---

(۱۳)

ڈاکخانہ مہندور پٹنہ

۸ رمضان الاعز ۶۳ھ

برادرِ عزیز سلام و تحیات

پرسوں آپ کا کارڈ ملا۔ خوشی ہوئی۔ کہ آپ اس تعطیل میں نہ آسکے۔ آپ کہیں گے کہ یہ خوشی کیوں؟ جی ہاں خوشی ہوئی۔ سنیئے:

قصہ یہ ہوا کہ میری اہلیہ جو عرصے سے ایک سخت عارضے میں مبتلا ہیں۔ یک بیک رمضان سے ایک ہفتہ پہلے یہاں پہنچا دی گئیں۔ اس "حادثے" سے اولاً تو مجھ "بیمار" کا کچھ مزنکل گیا دوسرے جتنے پناہ گزین طالب علم ہمارے ہاں تھے "ترکِ مقام" پر مجبور ہو گئے۔ طاہر صاحب[۳] مدرسے

---

[۱] بعض ذاتی امور کی طرف اشارہ ہے۔

[۲] مولوی عبدالماجد ندوی۔ استاد عربی ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

[۳] سابق ایڈیٹر "مغربی پاکستان" لاہور

کی مسجد میں معتکف ہیں۔ ولایت علی صاحب[1] خسرو پوری نے گھر کی راہ لی۔ آپ کی آمد کا ہر وقت اندیشہ تھا۔ جی چاہا کہ خط لکھ دوں اور روک دوں۔ پھر طبیعت آمادہ نہ ہوئی۔ عبدالماجد صاحب آئے تو آپ کا حال معلوم ہوا۔ کچھ مسرت ہوئی۔ پھر بھی رانچی سے واپسی کا خطرہ لاحق رہا بایں ہمہ روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پرسوں آپ کا خط آیا تو جان میں جان آئی۔ اب آپ عید بعد "سرراہے" پٹنہ اتر جائیے۔ ملاقات ہو جائے گی۔ اور اطمینان سے باتیں بھی ہو رہیں گی۔ اگر ان دنوں کوئی اور صاحب مہمان نہ ہوئے۔

عبدالماجد صاحب سے بھی معذرت کی اب وہ گھر ہی پر ہیں۔

تبدیل آب و ہوا اور علاج کے لیے میرا عزم سفر مصمم ہے مگر کیا صورت ہوگی، کچھ نہیں کہہ سکتا۔ صورتِ حال اتنی پیچیدہ ہو گئی ہے کہ عقل کام نہیں کرتی۔ اگر اللہ کا فضل شامل حال رہا تو انشاءاللہ دس بارہ عید تک لکھنؤ ہوتا ہوا فیروزپور کا قصد کروں گا۔

رمضان کے اواخر تک آپ کو مفصل پروگرام کی اطلاع دوں گا۔ ابھی قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر میں فیروزپور گیا اور وہاں کچھ دنوں رہ سکا تو پھر آپ کچھ فرصت میں اُدھر ہی قصد کیجئے۔

آخر میں دعا کی درخواست ہے۔ آجکل میری حالت قابلِ رحم ہے۔

والسلام
عاجز مسعود عالم ندوی

مجتبیٰ سہیل صاحب اور الیاس صاحب صدیقی سے سلام عرض کیجئے اور اپنے والد صاحب کی خدمت میں سلام اور مزاج پرسی کیجئے۔
مسعود

---

(۱۴)

دارالاسلام
نزد پٹھان کوٹ (پنجاب)
۱۲ / ۱۱ / ۶۳ھ

برادرِ عزیز
سلام و تحیات

پرسوں آپ کا ملفوف خط فیروزپور ہوتا ہوا یہاں پہنچا، فیروزپور کی آب و ہوا سے تنگ آکر ۲۰ اکتوبر کو وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ تین دن لاہور رہا۔ وہاں طبیعت بشاش رہی حالاں کہ "کوثر" کا دفتر شہر کے آباد ترین[2] حصے میں ہے اور وہاں صاف ہوا کا گذر نہیں۔

---

[1] ایک طالب علم جو مولانا مرحوم کے ہاں قیام پذیر تھا۔ [2] نزد تھانہ گوالمنڈی۔ لاہور

۲۴ اکتوبر کو دارالاسلام پہنچا۔ تین چار روز قیام کا قصد تھا لیکن مولانا مودودی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ سال کا اکثر حصہ یہیں رہوں۔ صرف برسات کے تین چار ماہ لاہور میں گزار دوں۔ یہ جگہ آبادیوں سے دُور سرنا اسٹیشن سے ایک فرلانگ پر ریلوے لائن سے متصل لمبائی گئی ہے۔ بہت مختصر سی نو آبادی ہے۔ قریب ہی نہر بہتی ہے۔ دق کے مریضوں کے لیے یہ جگہ قدرتی Sanitorium ہے۔ ہمالیہ یہاں سے کُل پندرہ سولہ میل ہے گو موٹر سے چکر در چکر کے باعث ابتدائی پہاڑی مقامات بھی پچاس ساٹھ میل سے کم نہیں ضروریات کی چیزیں بھی یہاں نہیں ملتی ہیں۔ پٹھان کوٹ یہاں سے چار میل پر ہے ریل تانگہ بس سروس ہر طرح کی سواریاں میسر ہیں۔ مودودی صاحب کے پاس ذاتی تانگہ بھی ہے۔ جو تقریباً کسی نہ کسی ضرورت سے جاتا رہتا ہے۔ میں بھی ڈاکٹر کے ہاں انہیں کے تانگہ پر جاتا ہوں۔ میرا ذاتی حال یہ ہے کہ فیروز پور میں لکھنؤ کی طرح دورے جاری رہے لاہور میں آکر یک قلم رک گئے۔ یہاں بین بین حالت ہے۔ ایک طرف قدرتی مناظر اور تر و تازہ ہوا، دوسری طرف خنکی اور سردی کی بہتات اور رطوبت۔ ۲۵ اکتوبر سے پٹھان کوٹ کے ایک ڈاکٹر کا علاج بھی شروع کرا دیا ہے۔ مودودی صاحب کے اصرار سے ہوا ایک ماہ کم سے کم آزمانا ہوگا۔ حسبِ توقع اگر اس کے علاج سے دورے دب گئے تو پھر یونانی مقویات اور معجون وغیرہ استعمال کروں گا۔ سردست کوشش یہی ہے کہ کسی طرح یہیں صحت اچھی اور بحال رہے۔ ورنہ پھر لاہور یا جالندھر مستقر بناؤں گا۔ زیادہ خیال لاہور ہی کا ہے۔ مودودی صاحب یہاں رہنے پر مصر ہیں۔ ان کی رائے میں صرف برسات کے موسم میں یہاں سے دُور رہنا مناسب ہوگا۔

جی ہاں! بُرہان[1] دیکھا پوری قسطوں کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو پھر کچھ عرض کیا جائیگا۔ اس ماہ کے "ترجمان" میں "معارف" سے بھی زیادہ سخت تنقید آرہی ہے۔ "نئی خارجیت" کا ذکر سُنا ہے۔ مودودی صاحب نے اس سلسلے میں مولانا گیلانی[2] کو ایک دلچسپ خط لکھا ہے آج "صدق" مل جائے گا۔ "برہان" مل چکا ہے۔ ایک کتاب اور دیکھئے "الفرقان" ولی اللہ نمبر میں راقم کا ایک مضمون نکلا تھا۔ شاید آپ نے دیکھا ہو اس کی تردید میں مولانا گیلانی نے ۵۰۰ صفحوں کی ایک کتاب "نظامِ تعلیم و تربیت" لکھ دی ہے اگر "معارف" نے اجازت دی تو

---

[1] ندوۃ المصنفین دہلی کا ترجمان۔ ایک پرچے میں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے مکتوب نگار کے ایک آرٹیکل سے متاثر ہو کر "نیا نظامِ تعلیم" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا تھا۔

[2] مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۵ جون ۱۹۵۶ء) پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ۔

اس پہ ریویو کروں گا۔ محمد ناظم صاحب[1] نے بھیجا ہو تو آپ بھیج دیں براہ راست فیروز پور۔ مظفر شاہ[2] کا ایک ماہ انتظار کروں گا۔ نومبر کے آخر میں لاہور جانا ہو گا تو وہیں اونی رومال خریدوں گا۔ وہ اس دوران میں آجائیں تو اونی رومال اور چادر اگر وہ لے آئے ہوں، فوراً پارسل سے بھجوا دیں۔

والسلام   عاجز مسعود عالم

(۱۵)

بنام حکیم محمد نصیر الدین ندوی

الاعظمیہ۔ بغداد۔ عراق

عن یدالدکتور تقی الدین الہلالی   مکرمی و محترمی

فی ۱۹/۹/۶۸ھ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'
۱۵/۷/۴۹

یہ پہلا خط آپ کی خدمت میں براہِ راست لکھ رہا ہوں۔ محمد ناظم صاحب تمام احباب کی نیابت کرتے تھے۔ شاید وہ بہار جا چکے ہوں۔ اس لیے "نیابت عمومی" کے لیے آپ پر نظر پڑی۔ غالباً یہ انتخاب برا نہیں ہو گا۔ ہاں! اگر محمد ناظم صاحب ہوں تو مخاطب نمبر اول وہی ہیں یہ محترم No one[3] کے وزن پر ہے۔

بھائی! اب حج کا عزم ہوا چاہتا ہے۔ کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔ راستہ کویت اور نجد کا منتخب کر رہا ہوں۔ اس میں عربی خدمت کے علاوہ علمی دلچسپی اور Adventure بھی ہے۔ ریاض میں دلیسی قانون ہے۔ اس لیے استاد محترم ہلالی صاحب کی رائے میں اگر عبدالحمید الخطیب (وزیر مفوض سعودی) اپنے کسی دوست یا خود سعود ولی عہد کے نام تعارف کا خط دے دیں تو بڑی آسانی ہو۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ اسی غرض سے اور ہلالی صاحب ہی کے اصرار پر عبداللہ الخیال (قنصل سعودی مقیم بغداد) کے نام سید عبدالحمید الخطیب کا خط منگوایا تھا لیکن یہ خاص حسن معاملت سے پیش نہیں آیا۔ رسمی اخلاق کا میں قائل نہیں اور دوبارہ ان طواغیت کے ہاں جانا بھی منظور نہیں۔ اگر محمد ناظم صاحب ہوں تو وہ مناسب خیال کریں تو اس کا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں، تو پھر آپ غور کریں کہ عبدالحمید خطیب سے تعارفی خط کس طرح آپ حاصل کر

---

[1] مولانا محمد ناظم ندوی سابق پرنسپل جامعہ عباسیہ بہاولپور [2] مولانا مظفر حسین شاہ ندوی سابق سیکرٹری تعلیمات حکومت آزاد کشمیر — مولانا مرحوم کے عزیز شاگردوں میں سے ہیں۔ [3] نمبر ایک ؛

سکتے ہیں۔ میری رائے میں آپ سعید رمضان کو میرا سلام کہیں۔ وہ انشاءاللہ یہ کام کردیں گے۔ ایک چیز محمد ناظم صاحب ہوں، تو وہ یا پھر سعید رمضان کو ضرور واضح کردیں۔ میں کوئی مالی یا مادی امداد نہیں چاہتا۔ صرف اخلاقی مدد چاہتا ہوں تاکہ کویت اور ریاض میں موٹروں کے کرایہ، قیام گاہ کی تلاش اور دوسرے معاملات میں دلالوں کا شکار نہ بننا پڑے۔ کویت سے زیادہ اہم ریاض ہے۔

غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ صرف ایک عرض اور ہے۔ تعارفی خط ملے یا نہ ملے۔ ہر صورت میں ہوائی ڈاک سے جلدی سے جلدی مطلع فرمائیں۔ انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ یہ راستہ اس لیے بھی منتخب کر رہا ہوں کہ یہاں سے بحری راستہ دمشق اور مصر ہو کر ہے۔ جس میں مصارف بہت ہیں۔

آپ کی گولیاں ابھی تک نہیں ملیں۔ کیا اور کوئی مختصر دوا بطور "زادِ راہ" کے جلد سے جلد بھیج سکتے ہیں تاکہ حج کے دوران میں آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ یہ حسنِ طلب نہیں بلکہ ایک ہونے والے واقعہ کا اظہار ہے۔

تمام احباب خصوصاً رحمت الٰہی صاحب[1]، جمال میاں[2] وغیرہ کو بہت بہت سلام محمد ناظم صاحب اور علی احمد صاحب ہوں تو اُن سے بہت بہت سلام کہیں۔ محمد عاصم سلام عرض کرتا ہے۔ بہت عجلت میں لکھ رہا ہوں۔

والسلام

عاجز: مسعود عالم

مولانا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خط کا فوٹو

ص ۶۵ پر ملاحظہ کریں

---

[1] مولانا کے شاگرد، قیمّ جماعت اسلامی پاکستان۔

[2]: غالباً جمال میاں فرنگی محلی کی طرف اشارہ ہے۔

بنام ضیا محمد ضیاءؒ

(۱۶)

راولپنڈی

۲۷/شوال/۱۳۷۱ھ مکرمی و محترمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ میری صحت کی خرابی تو ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سارے کام ہوتے رہتے ہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں دین کی خدمت کے قابل رکھے۔

"قادیانیت" کے بارے میں ایک مختصر سا نوٹ لکھ کر ایک اخبار کے نام روانہ کیا ہے اس کے چھپ جانے اور وہاں کے ردِّ عمل کا انتظار ہے۔ پھر ارادہ ہے کہ اس پر زیادہ تفصیل سے لکھوں۔

ایسے مسائل کا فوری نوٹس لینے اور عربی اخبارات میں لکھتے رہنے کی یقیناً ضرورت ہے۔ لیکن اس سلسلے میں میری صحت کی خرابی کے علاوہ دارالعروبہ کے سٹاف کی کمی سب سے بڑی دشواری ہے۔ صرف دو رفیق ہیں اور دونوں کے ذمے ایسے مستقل فرائض ہیں کہ ان امور کی طرف توجہ کریں تو اصل کام رہ جائیں۔ قحط الرجال کا یہ عالم ہے کہ مسلسل اپیلوں کے باوجود کوئی مناسب آدمی نہیں ملتا۔

تسنیم[1] میں لکھنے کے لیے ہمیں ایک عربی اخبار[2] کا انتظار ہے جو معمولی ڈاک سے آتا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی بہت دیر میں موصول ہوتا ہے۔ اس میں مفتی الدیار المصریہ کے فتوے شائع ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں مفصل معلومات بھی اسی سے فراہم ہو سکتی ہیں۔ ایک اور اخبار جو اگرچہ ہوائی ڈاک سے آتا ہے لیکن اس نے اس مسئلہ کو چھیڑا ہی نہیں ہے۔ مخالف اخبار تمام کے تمام ملحد ہیں جو ہمارے ہاں نہیں آتے۔ تاہم جو اخبار کہ مفتی صاحب کے فتوے چھاپتا ہے۔ وہ یہ معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کا انتظار ہے پھر انشاءاللہ کچھ لکھا جائے گا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ والسلام

عاجز : مسعود عالم ندوی

---

[1] جماعت اسلامی پاکستان کا روزنامہ آرگن جو ملک نصر اللہ خاں عزیزؔ کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔

[2] ہفت روزہ "منبر الشرق" کی طرف اشارہ ہے۔ اسی اخبار میں مصر کے محقق عالم اور مفتی شیخ حسنین مخلوف کے فتوے مستقل طور پر شائع ہوتے تھے۔

(۱۷)

۱۸/۱/۷۲ء ۱۳ھ — مکرمی و محترمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ایک ہفتہ ہوا آپ کا خط ملا۔ افسوس کہ جواب میں تاخیر ہوئی۔ دراصل مجھے اخوان کے آرگن "الدعوۃ" کا انتظار تھا تاکہ آپ کو اپنی قطعی رائے سے مطلع کر سکوں۔ لیکن افسوس کہ تازہ پرچہ جس کا انتظار ہے اب تک موصول نہیں ہوا۔ اس لیے اب یہی مناسب معلوم ہوا کہ اب تک "الاخوان" کے جرائد و رسائل کے مسلسل مطالعہ کے بعد ان کے اس فیصلے پر میں نے جو رائے قائم کی ہے۔ اسے مختصر طور پر قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔

(۱) "الاخوان" کو سیاسیات سے الگ رکھنے کا فیصلہ ان کی "مجلس دستور ساز" نے نہیں بلکہ "الهیئتِ التاسیسیہ" نے کیا ہے آپ اسے مسلم لیگ کی کونسل یا آل انڈیا کانگرس کمیٹی A.I.C.C. کی طرح ایک بڑی مجلس مشاورت کہہ سکتے ہیں۔ الاخوان کے متعلق جہاں اور بہت سی غلط فہمیاں پھیلی اور پھیلائی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ احمد حسن الباقوری اختلافِ رائے کی وجہ سے جماعت سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ اور ان کے اس استعفاء کی وجہ سے جماعت میں اندرونی خلفشار پیدا ہو گیا ہے۔ "نوائے وقت" کا یہ بیان غالباً غلط فہمی یا غلط اطلاع پر مبنی ہے۔ "الدعوۃ" میں جو الاخوان کا آرگن ہے۔ اس کے متعلق اب تک کوئی بیان نہیں شائع ہوا۔

۲۔ الباقوری کے متعلق یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ سابق میں جماعت کے ڈپٹی لیڈر تھے۔ البتہ وہ الاخوان کی مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن تھے اور غالباً اب بھی ہیں۔

الاخوان کی "ہیئت التاسیسہ" کا فیصلہ میری رائے میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ اس وقت مصر میں جنرل نجیب کی فوجی حکومت قائم ہے اور ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی کے منصوبے بنانے کا کام چند فوجی افسروں کی ایک کمیٹی کے سپرد ہے بلاشبہ جنرل نجیب اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں بعض کام بڑے ہی اچھے انجام پا گئے ہیں — چونکہ جنرل نجیب اور اُن کے ساتھیوں کے سامنے کوئی فکر اور معین نصب العین نہیں ہے۔ جس کے مطابق وہ کام کر سکیں۔ محض قوم و ملک کی خیر خواہی کا جذبہ ہے جو ان سے کام کرا رہا ہے۔ اس لیے اس بات کا ہر وقت امکان ہے کہ وہ کہیں غلط اقدام نہ کر بیٹھیں اور اس کے اچھے یا بُرے نتائج سے سیاسیات میں حصہ لینے والی پارٹیوں کو دو چار ہونا

پڑے۔ ویسے بھی فوجی انقلاب کی نوعیت ایک طوفان کی سی ہوتی ہے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر الاخوان نے مقامی سیاسیات Domestic politics میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے اور میری رائے میں ان کا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ اور یہی ہونا چاہیئے تھا ــــ اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ "الاخوان" نے دین و سیاست کو دو علیحدہ شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ الاخوان سیاسی جماعتوں کی تنظیم جدید کے ماتحت اپنے کو رجسٹر کروانا نہیں چاہتے اور اس کے نتیجے کے طور پر وہ وزارت سازی اور ملک کے انتخابات میں حصہ نہ لے سکیں گے لیکن وہ ہر حال میں حکومت کے کاموں پر تنقید اور اس سے اسلامی دستور کے نفاذ کا مطالبہ کر سکتے ہیں ـــ جس طرح "نوائے وقت" اور دوسرے اخبارات کا یہ لکھنا غلط ہے کہ "الاخوان" میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور وہ دین و سیاست میں تفریق کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہمارے "کوثر" کا بھی یہ لکھنا انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے کہ

"مصر کے انقلاب میں اخوان المسلمین کا بہت بڑا حصہ ہے۔

پروگرام رہ بناتی ہے اور اس پر عمل نجیب کرتا ہے۔ (اداریہ ج ۱۲ نمبر ۴۹)

خلاصہ یہ کہ[1] اب تک جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ الاخوان کا یہ فیصلہ صحیح ہے اور موجودہ حالات میں یہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ کوئی قطعی رائے نہیں جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں۔ "الدعوۃ" کا تازہ پرچہ آنے کے بعد اگر اس رائے میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو اس سے مطلع کر دوں گا۔

رہا آپ کا یہ کہنا کہ "تسنیم" میں اس کے متعلق لکھوں یا لکھتا رہوں۔ اس کا خود مجھے احساس ہے لیکن میں اپنی صحت کی کمزوری کے باعث بسا اوقات ضروری کام بھی نہیں کر پاتا اور یہی عذر یہاں بھی ہے۔ یہ خط بھی اپنے ایک نو آموز رفیق سے لکھوا رہا ہوں[2]۔ عاصم صاحب کو عربی کام سے فرصت نہیں۔ طٰہٰ صاحب[3] علالت کے باعث نواب شاہ چلے گئے۔ دار العروبہ کے کام کی رفتار کی اشاعت کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ویسے مجلس شوریٰ میں اس کی رپورٹ زبانی پلیش کی جاتی رہی ہے۔ آئندہ سے ارادہ ہے

---

[1] خط میں جا بجا تصحیح کی گئی ہے اور بعض الفاظ کاٹ کر موزوں الفاظ لکھے گئے ہیں۔

[2] مولانا مرحوم کے عزیز شاگرد اور خصوصی معاون۔

[3] طٰہٰ یٰسین (رفیقِ دار العروبہ)

کہ تحریری طور پر سہ ماہی رپورٹ مجلس شوریٰ میں پیش کردی جائے۔ یوں اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اخبار میں بھی اشاعت ہوسکتی ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اپنے مقامی رفقاء خصوصاً اقبال صاحب اور منظور عالم صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔

والسلام

عاجز: مسعود عالم ندوی

---

(۱۸)

راولپنڈی (پاکستان)

۲/۲/۱۳۷۳ھ

۲۲ر اکتوبر ۵۲ء

مکرمی و محترمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ چند دن ہوئے ملا۔ بعض مصروفیتوں کی وجہ سے فوراً جواب نہیں دیا جاسکا امید کہ معاف فرمائیں گے۔ "مصر کی موجودہ سیاسی پارٹیاں" اور "مصر کی سیاست میں الاخوان المسلمون کا موجودہ موقف" کے عنوان سے میں نے دو مضمون لکھے ہیں۔ پہلا تو غالباً آجکل میں "تسنیم" میں چھپ جائے گا۔ ابھی تک ہمارے پاس "تسنیم" نہیں آیا۔ ممکن ہے آج کے پرچے میں شائع ہوگیا ہو۔ دوسرا ہم کل روانہ کریں گے اور امید ہے جلد ہی شائع ہوجائے گا۔ ان دونوں سے آپ کے خط کے پہلے سوال کا جواب ہوجائے گا۔ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ممکن ہے جلد ہی "ترجمان القرآن" یا "کوثر" میں دارالعروبہ کے کام کی رفتار کے متعلق کچھ لکھوں۔ اعلان یا اشتہار کے لیے نہیں بلکہ رفقاء کی اطلاع کے لیے۔ یہ خود میں بھی چاہتا ہوں۔

آپ جہاں ہیں کام کرتے رہیں اور ہمارے لیے دعا کرتے رہیں۔ ممکن ہے کبھی فارسی کا بھی کوئی کام نکل آئے۔ رفقاء سلام کہتے ہیں۔ تمام جاننے والے حضرات کی خدمت میں سلام کہیئے۔

والسلام

عاجز

مسعود عالم ندوی

بنام مولانا حکیم شمس الدین احمد

(۱۹)

راولپنڈی (پاکستان)
فی ۱۸/۴/۱۳۷۲ھ

برادرم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت دنوں کے بعد آپ کا خط آیا۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ میری طبیعت الحمدللہ ان دنوں اچھی ہے اور سردی کے باوجود کوئی تکلیف نہیں پچھلے دنوں شوریٰ میں شرکت کے لیے لاہور گیا تھا۔ اور جاتے اور آتے وقت گوجرانوالہ میں رُکا تھا۔ عبدالولی صاحب کے ہاں ایک رات گزاری تھی۔ آپ کو اگر آتے وقت انڈے بآسانی مل سکیں تو لیتے آئیں۔ ابھی سردی ہے۔ خراب ہونے کا تو سوال نہیں اس لیے اگر زیادہ بھی آجائیں تو کوئی حرج نہیں۔ تیل میرے پاس ہے۔ محمد عاصم کو ایک سیر تیل کی ضرورت ہے۔ اگر آپ قیمت لے لیں تو لیتے آئیں۔ یہاں تو خالص تیل ملتا ہی نہیں۔ والسلام

عاجز: مسعود عالم ندوی
بقلم: محمّد عاصم

---

(۲۰)

سنٹرل جیل راولپنڈی
۴ شوال ۷۲ھ

برادرِ عزیز سلمکم وعافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: آپ کا کارڈ ملا تھا پڑھ کر خوشی ہوئی اور دل سے دعائیں نکلیں۔ میں تو پنڈی میں آپ کی جدائی پر افسوس کر رہا تھا کہ آپ کی صحت اس دشوار منزل کے قابل نہیں تھی۔ مگر اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ میرے لیے بھی یہ آزمائش مقدر ہے اور آپ جیسے دوستوں کو میرے لیے فکر کرنی پڑے گی۔ بہرحال مومن کی شان یہ ہے کہ آزمائش کو دعوت نہیں دیتا مگر جب آجائے تو اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ استقامت و ثبات کی توفیق بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ ورنہ ہم کمزور و ناتواں بندوں کی کیا حیثیت ؟ ؟ — بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کا یہ بیمار بھائی ایک حد تک اچھا ہے یعنی اتنا اچھا کہ عام بین بین حالت سے کچھ بہتر ہی۔ کبھی کبھی تنفس کی خلش ہو جاتی ہے۔ مگر ہلکی — بڑی بات یہ ہے کہ ضروری کام خود کر لیتا ہوں۔ جیل میں بڑی اصلاح ہو رہی ہے۔ بعض بُری عادتیں بالکل چھوٹ گئی ہیں۔ دوپہر کی بے وقت چائے بھی ان میں سے ایک ہے

صبح کی چائے بھی کچھ دیر ہی سے پیتا ہوں۔
لکھنے پڑھنے کا پروگرام بھی قاعدے سے چل رہا ہے۔ سر دست صرف حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ گوشۂ عافیت جانے پھر کب نصیب ہو؟ نیل الاوطار[۱] کی آٹھویں جلد آج شروع کی ہے۔ اس کے بعد ابوداؤد (مع شرح الخطابی اور تعلیقات ابن القیمؒ) کا ارادہ ہے۔ آٹھ جلدوں میں مکمل چھپ کر آگئی ہے۔ اس کے علاوہ غازی صاحب[۲] کی صحبت میں انگریزی بولنے کی مشق بھی ہو رہی ہے۔

یہاں خاصا آرام ہے۔ باقی ضرورت کی چیزیں محمد عاصم[۳] سلمہٗ پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ بڑی محبت اور مستعدی سے میری ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ مجھ غریب کے پاس دعا کے سوا کیا رکھا ہے؟ آپ انہیں سرسوں کا تیل پہنچا دیں اور کسی ایسی چیز کی ضرورت نہیں جس کی فرمائش آپ سے کی جائے۔ یوں خدانخواستہ کوئی ضرورت ہوئی تو آپ کو ضرور تکلیف دوں گا۔ آپ کا شمار احبابِ خاص میں ہے اور میں آپ کی محبت و شرافت سے بہت متاثر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامل صحت عطا فرمائے۔

ہمارے رفقاء غازی صاحب اور مولانا صدر الدین صاحب[۴] سلام کہتے ہیں۔
ہماری طرف سے اپنے دوستوں اور خاص کر اپنے برادرانِ محترم کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض کریں۔

والسّلام

مسعود عالم

---

[۱] نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار (آٹھ جلد) امام محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ شوکانی، شوکان (یمن) میں ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ صنعاء میں زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ ۱۲۲۹ھ میں صنعاء کے عہدۂ قضا پر فائز ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ تقلید کو حرام سمجھتے تھے اور اُن کی کتابوں میں عدمِ تقلید پر زور دیا گیا ہے۔ زرکلی کے بیان کے مطابق ۱۱۴ کتابیں اُن سے یادگار ہیں۔

[۲] رفیقِ زنداں جناب عبد الجبار غازی

[۳] مولانا مرحوم نے حاشیہ میں لکھا ہے "میرے عزیز بھائی اور نگرانِ امورِ ذاتی"

[۴] مولانا صدر الدین رفاعی حال خطیب مدنی مسجد۔ سٹی لائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

(۲۱)

سنٹرل جیل راولپنڈی   برادرِ عزیز سلمک اللہ وعافاک
۱۲/۱۱/۷۲ء   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔ عنایت ومحبت کا دلی شکریہ! الحمد للہ اچھا ہوں اور تمام کام معمول کے مطابق انجام پا جاتے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ دو ماہ تو طبیعت بہت اچھی رہی۔ البتہ دو ہفتوں سے موسم کی تبدیلی کے ساتھ کچھ تکلیف رہنے لگی ہے۔ کل پھر دوا آئی ہے اور توقع ہے اس سے آرام ہو جائے گا۔ دعا کرتے رہیں۔

سرسوں کا تیل مل گیا تھا۔ مگر یہاں خرچ زیادہ ہے اس لیے ایک بوتل اور پہنچا دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر عاصم میاں سے قیمت لے لیا کریں۔ آپ لوگوں نے تکلف کیا تو جیل سے نکلتے نکلتے خاصا مقروض ہو جاؤں گا۔ امید کہ آپ تکلف نہ کریں گے)

اور حالات حسبِ معمول ہیں۔ غازی صاحب بھی اچھے ہیں۔ سلام کہتے ہیں۔ اپنے برادرانِ محترم کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض کریں اور دعا کی درخواست بھی۔

امید کہ آپ بالکل اچھے ہوں گے۔ والسلام   عاجز: مسعود عالم ندوی

---

(۲۲)

راولپنڈی (پاکستان)
فی ۲۰/۳/۷۳ھ   برادرِ عزیز   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اب طبیعت رُو بصحت ہے۔ انشاء اللہ یہی رفتار رہی تو جلد ہی کام کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ دعا میں یاد رکھیں۔

بہت اچھا! اب آپ کا ارسال کردہ آٹا استعمال ہو رہا ہے۔ آپ اتنا خیال رکھیں کہ ہر مہینے چھ سات (؟)[1] پہنچ جایا کرے .... اگر آٹا دفتر جماعت اسلامی بھجوایا جائے تو بہتر ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ آٹا لانے والے کو دقت نہ ہو اور ہم بھی آسانی سے منگوا سکیں۔ ورنہ محمد شریف صاحب راجہ بازار کی دکان پہ پہنچایا جائے[2] ......

"الکتاب"[3] کے متعلق آپ نے لکھا ہے۔ یہ رسالہ آپ کے ذوق کا تو نہیں ہے۔ آپ

---

[1] "اگر" زائد ہے [2] لفظ "بار" رہ گیا ہے [3] عالمِ عرب کا معروف ادبی ماہنامہ۔

کو غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟ آپ نے اگر جان بوجھ کر لکھا ہے تو دوبارہ مطلع کریں۔ چند پرچے بھیج دیے جائیں گے ہمارے پاس اس سال سے نہیں آرہا حالانکہ چندہ ادا کیا جا چکا ہے خدا معلوم کیا وجہ ہے؟ ان کو خط بھی لکھے ہیں مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ محمد افضل کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیں۔

امید کہ آپ ہر طرح خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

عاجز: مسعود عالم ندوی بقلم: محمد افضل

---

(۲۳)

راولپنڈی (پاکستان) برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

فی ۲۲/۵/۱۳۷۳ھ آج ہی آپ کا خط ملا۔ خیریت معلوم ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے میری طبیعت ان دنوں اچھی ہے اور کام کر رہا ہوں۔ اب تو آپ کی دوائیں آزمانے کا وقت نہیں ہے۔ جب کبھی آپ آئیں گے تو گفتگو ہوگی۔

میرا ارادہ بدستور قائم ہے۔ اللہ کرے تمام ابتدائی کام وقت پر اور صحیح طریقے پر انجام پا جائیں۔ دعا کرتے رہیں۔

اخوان کے متعلق صحیح واقعات ہمیں بھی نہیں معلوم ہو سکے۔ صرف مقامی اخبارات تک ہماری معلومات محدود ہیں۔ وہاں سے کوئی نیا رسالہ یا خط نہیں آیا۔ اب نہ مکمل اور قطعی معلومات ہیں اور نہ اتنا وقت کہ مقالہ لکھا جائے۔ دیکھئے کوئی خاص بات معلوم ہوئی تو ممکن ہے کچھ لکھا بھی جائے۔ (لکھنے کی باتیں ہیں بھی مگر ان دنوں بہت مصروف ہوں)۔

افضل صاحب تو گھر گئے ہوئے ہیں۔ محمد عاصم سلام عرض کرتا ہے۔ تمام جاننے والے حضرات کی خدمت میں سلام کہیئے۔

والسلام

عاجز: مسعود عالم ندوی بقلم: محمد عاصم

---

(۲۴)

دار العروبہ جماعت اسلامی گوجرانوالہ

۱۲/ اگست برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

چند دن ہوئے آپ کا خط ملا۔ بعض وجوہ سے فوراً جواب نہیں دیا

جا سکا۔ امید ہے معاف کریں گے۔

"لغاتِ[1] جدیدہ" آپ کو لاہور میں مل سکتی ہے۔ پتہ غالباً یہ ہوگا: شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور قیمت تقسیم سے پہلے ۴ر یا ۵ر تھی اب عا ر سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اس وقت بہت سے عربی اخبار قاہرہ وغیرہ سے شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت انہیں چندہ بھیجنے کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ سٹیٹ بنک پاکستان سے ڈرافٹ بنوانا پڑتا ہے اگر آپ لاہور کے کسی تاجر کتب سے خط و کتابت کر کے معاملہ کر سکیں تو اچھا ہے یعنی یہ تاجر کتب آپ سے کچھ کمیشن لے کر آپ کا چندہ مصر بھجوا دیں۔ مگر ایسا صرف وہی تاجر کر سکتا ہے جس کے پاس روپیہ بھیجنے کا لائسنس ہو۔ ہمیں اب تک کوئی ایسے تاجر کتب معلوم نہیں ہیں۔

آپ کے لیے ذیل کا اخبار بہتر رہے گا۔ چندہ ۲ پونڈ مصری ہے۔

جریدہ "منبر الشرق"[2]

بمیدان الخدیوی اسماعیل بعمارۃ البحری حرف c

القاہرہ Cairo (Egypt)

تفہیم القرآن کی کتابت ابھی جاری ہے۔ مکمل نہیں ہوئی۔ پوری تفصیل ہمیں نہیں معلوم ہمیں افسوس ہے کہ اب تک آپ کو کوئی معقول شغل نہیں مل سکا ہے۔ ممکن ہے ہم آپ کو کچھ دنوں کے بعد اپنے ہاں بلا سکیں۔ مگر آپ اپنی حد تک کوشش جاری رکھیں۔ اگر اس وقت تک آپ کو کوئی شغل مل گیا تو آپ کو پورا اختیار ہوگا کہ آپ آئیں یا نہیں۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہ ہوگی۔

باقی خیریت ہے۔ محمد عاصم اچھا ہے اور سلام عرض کرتا ہے۔

عاجز: مسعود عالم | بقلم: محمد عاصم

---

[1] سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) کا عربی۔ اردو لغات۔ دوسرے ایڈیشن میں مولانا مسعود عالم ندوی نے جدید اسالیب بیان نئے الفاظ و محاورات اور مصطلحات و معربات کا اضافہ کیا تھا۔

[2] علی الغایاتی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ جن دنوں اخوان پر سختیاں ہو رہی تھیں "منبر الشرق" نے کھل کر اخوان اور اسلامی دعوت کی مدافعت کا حق ادا کیا تھا۔

بنام محمد نصر اللہ خاں

(۲۵)

سنٹرل جیل راولپنڈی
۲۹ رمضان ۷۲ھ

عزیز مکرم! السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ عرصہ ہوا ملا تھا مگر جواب کا موقع نہ مل سکا۔ ہفتہ میں صرف دو خط کی اجازت ہے۔ اس لیے تمام دوستوں اور عزیزوں کو وقت پر جواب دینا بہت مشکل ہے امید کہ آپ میری مجبوریوں کے پیشِ نظر خیال نہیں کریں گے۔

اور حالات اچھے ہیں۔ صحت میری بہت غنیمت ہے۔ روزے باہر بھی نہیں رکھ سکتا تھا یہاں رکھنے کا اور بھی امکان نہیں تھا۔ تراویح پوری بیس رکعتیں، دو ختم پڑھیں اور حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اس اتفاقی موقعے سے فائدہ نہ اٹھانا بڑی ناشکری ہوگی مطالعہ کی رفتار اچھی ہے۔ جانے کب تک یہاں رہنا ہے۔ بہر حال دو چار مہینوں میں خاصا پڑھ لوں گا اور انشاء اللہ مطالعہ ہمارے کام میں بہت ممد ہوگا۔ اب تک میں نے حدیث کا باضابطہ اور مسلسل مطالعہ بہت کم کیا ہے، باہر اتنی فرصت کہاں ملتی ہے؟

اور ابھی اس تنہائی سے فائدے پہنچ رہے ہیں۔ بہت سی عادتیں چھوٹ رہی ہیں۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ میں روزانہ اسٹو پر چائے بناتا ہوں۔ برتن دھوتا ہوں بلکہ مانجھتا ہوں۔ بار بار لوٹوں میں پانی لاتا ہوں۔ جو کام آپ سے نہیں ہوتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخوبی پورے ہو جاتے ہیں۔ گجرات کے اسیروں میں دو چار نوجوان واقف اور متفق نکلے۔ انہوں نے نہانے کے لیے پانی گرم کرنے اور تیل مالش میں بڑی مدد کی اور کر رہے ہیں۔ غالباً آجکل وہ لوگ رہا ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ پھر کوئی نظم کر دے گا۔

کل سے رہائیاں ہو رہی ہیں مگر خیال ہے کہ ہم لوگ ابھی کچھ دنوں اور مہمان ہوں گے۔ بہرحال "بادہ" تو قدح خوار کا ظرف دیکھ کر ہی دیتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اپنی بیماری اور کمزوری جسم و جان کے باوجود دل بالکل مطمئن اور قانع ہے۔ مومن ابتلاء کو دعوت نہیں دیتا مگر جب آجائے تو اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا مانگتا ہے۔ ہمارا ابھی یہی حال ہے۔ الحمد للہ ہم یہاں کچھ شوق سے نہیں آئے۔ مگر جب ہمارے کرم فرما ہمیں لے آئے ہیں تو توکلاً علی اللہ ہم خوش اور مطمئن ہیں اور ہر طرح خیریت ہے۔ غازی صاحب[۱] اچھے ہیں۔ تمام دوستوں اور رفیقوں

---

[۱] رفیقِ زنداں عبد الجبار غازی

خاص کر ہمارے میزبان کو بہت بہت سلام۔ آپ میرے خط کا انتظار کیے بغیر لکھتے رہیں۔

والسلام　　　عاجز: مسعود عالم ندوی　　　۱۲/۶/۵۳

بنام طہ یسین

(۲۶)

۲۴/۱/۷۳ھ

برادرم　　　سلام و تحیات

کل آپ کا ملفوف خط ملا۔ اللہ تعالیٰ اپنے امن و امان میں رکھے۔ میں بھی ان دنوں سخت علیل ہوں یعنی روزانہ رات کو دورے پڑتے ہیں اور دن بھر تھکان اور کمزوری کے باعث بیکار پڑا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ترجمہ کے بارے میں آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ قسط غالباً منہاج صاحب مکمل کر دیں گے آئندہ "ترجمان" میں ایک مقالہ مترجم ہوا کرے گا۔ اس کے لیے ہمارے سامنے چار آدمی اس ترتیب سے پیش نظر ہیں: (۱) طہ یسین صاحب (۲) رحمت باری (سید رحمت اللہ شاہ صاحب بہاولپور، کاظم صاحب کے چچا زاد بھائی (۳) سید وصی مظہر صاحب (۴) محمد سلیم صاحب۔ سردست "التشریح الجنائی"[2] کا مقدمہ بھی موجود ہے۔ ذرا سنبھل لوں تو پروگرام بناؤں اور ان اصحاب سے فرداً فرداً پوچھوں گا وہ کیا کام دے سکتے ہیں اور کتنے کے نوٹس پر۔ ممکن ہے بعض کام فوری لینے کے ہوں (ترجمان کے علاوہ) آپ کے قریب جو اصحاب ہیں ان سے ذکر کر رکھیے۔ سردست تو میں بہت کمزور اور معذور ہوں۔ مگر کام بہرحال جاری رکھنا ہے۔ رفقا و احباب کو سلام۔

عاجز: مسعود عالم ندوی

(۲۷)

راولپنڈی

۲۶/۵/۱۳۷۳ھ　　　برادر عزیز　　　السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا خط آج ہی ملا۔ خوشی ہوئی کہ آپ کا علاج کامیاب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] حافظ مولانا عبدالوالی صاحب (رکن جماعت اسلامی گوجرانوالہ۔)

[2] تالیف عبدالقادر عودہ شہید رح۔ اس کتاب کا ترجمہ یورپ کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے اور "اسلام کے قانون فوجداری" پر بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ اللہ کا شکر ہے میری طبیعت ان دنوں اچھی ہے اور اپنے پروگرام کے مطابق کام کر رہا ہوں۔

"ردالاخوان فی ... " کی ہمیں خود سخت ضرورت تھی اور ہے اور ہم اس کے لیے اپنے ناشرین[1] کو بار بار لکھتے رہے مگر انہوں نے اب تک یہ کتاب نہیں بھیجی۔ اس کے علاوہ دارالعروبہ میں بھی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کا ترجمہ یہاں کے لوگوں کے لیے مفید ہو سکے۔ آپ کے بعد یہاں کتابیں بہت کم آئی ہیں۔ ہمارے ناشرین تو نہ صرف کتابوں کے شائع کرنے میں سست پڑ گئے بلکہ ہمارے خطوط کا بھی جواب نہیں دیتے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ ابوزہرہ[2] کی چار کتابوں (الشافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ) میں سے کسی ایک کا ترجمہ شروع کر دیں۔ مولانا مودودی نے اُن کے ترجمے کا کام ملک غلام علی صاحب[3] کے سپرد کیا تھا اور وہ اس کی ابتدا کرنے ہی والے ہوں گے لیکن کام اتنا ہے کہ وہ اگر پوری طرح فارغ ہو کر اسے کرنا چاہیں تو دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔ آپ سوچ لیں اور چودھری غلام محمد صاحب[4] سے مشورہ کر لیں اگر رائے ہوئی تو ہم ملک صاحب سے طے کر لیں گے کہ وہ کون سی کتاب کریں اور آپ کونسی[5]؟ اس وقت چودھری صاحب سے بھی مشورہ ہو جائے گا۔ غالباً یہ کتابیں لاہور میں مل سکیں گی۔

ان کے علاوہ کوئی دوسری کتاب میری سمجھ میں نہیں آتی جس کا ترجمہ کیا جائے۔

"چٹان" نے اخوان کے متعلق جو لکھا ہے وہ میں نے نہیں پڑھا۔ آج "چٹان" منگوا کر پڑھتا ہوں۔ اب تو غالباً مجھے اخوان کے متعلق صحیح صورتِ حال کو واضح کرنا پڑے گا۔ اخوان میں پھوٹ ایک واقعہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اخوان کی دونوں پارٹیوں کے بارے میں کیا سمجھتی ہے۔ مگر یہ کام غالباً مجھ سے

---

[1] لجنۃ الشباب المسلم قاہرہ [2] مشہور مصری فاضل، پروفیسر فواد کالج قاہرہ۔

[3] معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

[4] مرحوم جماعت اسلامی پاکستان (حلقہ کراچی) کے امیر تھے اور مکتبہ "چراغ راہ" کراچی کے مالک و مہتمم۔

[5] طٰہٰ یٰسین اور ملک غلام علی ہر دو صاحبان گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے شیخ ابوزہرہ کی متذکرہ کتابوں کا ترجمہ نہ کر سکے۔ تاہم دوسرے اہلِ علم نے ان کتابوں کے ترجمے کئے ہیں۔ الشافعی اور امام ابوحنیفہ سے متعلق کتابوں کے تراجم رئیس احمد جعفری مرحوم نے کیئے۔ "امام مالک" کی سوانح و خدمات کا ترجمہ علیم اللہ قدسی اور حیات امام احمدؒ بن حنبل کا ترجمہ ثاقب حسین نقوی نے کیا ہے۔

۱۵ فروری سے پہلے نہ ہو سکے۔ اس وقت جن کاموں میں مصروف ہوں۔ وہ بہت ضروری ہیں۔ اور ان سے ۱۵ سے پہلے فارغ ہونا مشکل ہے۔ والسلام

عاجز : مسعود عالم ندوی

بنام محمد حسنین سید

(۲۸)

دار العروبہ للدعوۃ الاسلامیہ راولپنڈی

۲۰/۳/۱۳۷۳ھ برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط چند دن ہوئے ملا۔ پچھلے دنوں طبیعت بہت خراب رہی۔ اس لیے اب تک جواب نہ دے سکا۔ خیال تھا کہ خود جواب دوں مگر اب تک کمزوری باقی ہے۔ اس لیے خود لکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ مجبوراً محمد عاصم سے لکھوا رہا ہوں۔ والد صاحب کو دیکھنے کے لیے ہر آن تڑپتا ہوں[1]۔ آپ نے اپنے خط میں جو باتیں لکھی ہیں مجھے خود ان کا از حد احساس ہے مگر ان چھ سالوں میں ایک مرتبہ بھی ادھر آنے کی اجازت نہیں ملی۔ کوشش ہمیشہ رہی اور اب تک جاری ہے۔ پاسپورٹ کی درخواست ۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو دی تھی۔ جواب تک نہ منظور ہوتی ہے اور نہ رد کی جاتی ہے۔ اپنی حد تک بڑی دوڑ دھوپ کی بہر حال اب مزید دوڑ دھوپ کی جائے گی۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ والد ماجد کو آپ لوگ تسلی دیتے رہا کریں۔ کبھی کبھی دورے میں ادھر نکل جایا کریں تو اچھا ہے۔ پچھلے تین ہفتے طبیعت کافی خراب رہی اب اچھی ہے لیکن کمزوری باقی ہے دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ دوسرے رفیقوں اور عزیزوں سے بھی یہی درخواست ہے۔ آپ لوگوں سے ملنے کو طبیعت بہت چاہتی ہے۔ لیکن جس خوف سے آپ خط نہیں لکھتے اسی اندیشے سے میں بھی خط لکھنے سے احتراز کرتا ہوں۔ اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

تمام رفقاء اور احباب سے سلام کہیئے۔ غازی صاحب اچھے، سلام کہتے ہیں۔ محمد عاصم بھی سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام

عاجز : مسعود عالم ندوی

---

[1] مولانا مرحوم والد ماجد کو برابر خطوط لکھتے اور روپیہ بھیجتے رہتے تھے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بے قرار تھے۔ وہ تصویر کھنچوانے کے قائل نہ تھے مگر والد ماجد سے ملاقات کی خاطر تصویر بنوائی اور پاسپورٹ کے حصول کے لیے تگ و دو کی مگر خدا کو اس دنیا میں ملاقات منظور نہ تھی۔

بنام عبدالماجد دریابادی

(۲۹)

راولپنڈی

حضرت سید صاحب کی سیرت کا مسئلہ آپ نے چھیڑ دیا ہے اور کوئی غلام محمد صاحب[۱] اس کام کے لیے تجویز بھی کر دیے گئے ہیں۔ سچ عرض کرتا ہوں کہ عاجز نے اُن کا نام پہلی بار سنا ممکن ہے اس میں میری گوشہ نشینی اور عام ناواقفیت کا بھی دخل ہو مگر مشکل یہ ہے کہ خاکسار عام طور پر معاصرِ ادب سے واقفیت رکھتا ہے اور پھر اپنے حلقے کے لکھنے والوں سے تو ذاتی تعلق بھی رہتا ہے۔ حضرت الاستاذ کی سیرت تو اُن کے خاص شاگردوں ہی میں سے کوئی لکھ سکتا ہے اور ان کے معاصر احباب اس میں مدد کر سکتے ہیں۔ استاذ الاستاذ مولانا شبلی نے سید صاحب کو ایک مکتوب میں لکھا تھا" وہ بے چارے (مارہروی صاحب) میری سیرت کیا لکھیں گے، تم ہی جب دنیا کے کاموں سے فراغت پانا تو لکھ لینا"[۲] (صحیح الفاظ یاد نہیں۔ مفہوم یہی ہے)۔

اور اللہ کا کرنا ایسا ہی ہُوا۔ سید صاحب قبلہ نے اس دنیا کے دھندوں سے فراغت اور بیسیوں کتابوں کی تصنیف کے بعد استاد کی سیرت لکھی اور ایسی لکھی کہ باید و شاید۔ اس لیے میری رائے میں حضرت الاستاذ کی سیرت نگاری کا حق صرف شاہ معین الدین صاحب کو پہنچتا ہے۔ اللہ نے انہیں استاد کی مسند پر بٹھایا ہے۔ وہی اس کے لیے موزوں اور حق دار بھی ہیں۔ دارالمصنفین میں اُنہیں پورے پورے تیس برس ہو رہے ہیں۔ ابتدائی زندگی اور نوجوانی کے حالات کے لیے ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب[۳] دسنوی اور مولانا عبدالسلام ندوی سے

---

[۱] سید صاحب مرحوم کے مسترشدین اور رفیقان با اختصاص میں سے ہیں۔ آخری چند سالوں میں سید صاحب کے بہت قریب رہے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹ ہیں۔ سیرت قائد ملت بہادر یار جنگ اور "حیاتِ اشرف" وغیرہ کے مؤلف ہیں۔ غلام محمد صاحب نے سید صاحب کی سیرت "تذکرہ سلیمان" کے نام سے لکھی ہے۔

[۲] علامہ شبلی (م ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء) کے اصل الفاظ یہ ہیں "افتخار عالم صاحب میری لائف کیا لکھیں گے۔ کبھی تم اور دنیا کے کاموں سے فارغ ہونا تم ہی لکھنا" بنام سید سلیمان ندوی مکاتیب حصہ دوم ص ۱۰۷۔

[۳] رشتہ میں سید صاحب کے چچا تھے۔ انہیں سید صاحب کے کام سے ہمیشہ گہری دلچسپی رہی۔ ان کی تحریر کے ایک ایک رقعہ اور پرزہ کو محفوظ رکھتے تھے۔

مدد مل سکتی ہے۔ خاندانی حالات کے لیے وہیں دارالمصنفین میں سید صباح الدین[1] وسطوی موجود ہیں۔ رہ گئے پاکستان کے آخری تین سال سوانح کے متعلق پوری معلومات برادرم سید ابو عاصم صاحب[2] فراہم کر سکتے ہیں۔ اور عاجز بھی بعض امور کے متعلق کچھ امداد بہم پہنچا سکتا ہے یہ میری تجویز ہے امید ہے کہ تمام ندوی احباب اس پر غور فرمائیں گے۔ کسی مدرسی عصبیت کی بنا پر نہیں۔ اظہار واقعہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ سید صاحب قبلہ کی سیرت کوئی کامل ندوی ہی لکھ سکتا ہے۔ [کامل ندوی سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ ٹھیٹھ ندوی ہو۔ کسی اور مشرب یا کلچر سے متاثر نہ ہو۔]

امید ہے کہ اس مراسلے کو "صدق جدید" کی کسی قریبی اشاعت میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

عاجز: مسعود عالم ندوی

بنام رئیس احمد جعفری[3]

(۳۰)

راولپنڈی
۶/۵/۴۷ھ

محترمی و مکرمی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ ملا۔ فرمائش[4] کی تعمیل سے کسی صورت بھی انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن کام کے ازدحام کی وجہ سے بہت مشغول ہوں۔ حضرت سید صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر کئی مضامین لکھنا تھے جن میں سے صرف ایک مضمون "المسلمون" (قاہرہ) کو لکھ کر بھیج سکا ہوں[5]۔ امید کہ آپ معذرت قبول فرمائیں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام عاجز: مسعود عالم ندوی

---

[1] رفیق دارالمصنفین و مؤلف کتب کثیرہ ٭ [2] سید صاحب کے داماد۔ انہوں نے ماہنامہ "ریاض" "سید نمبر" میں زمانۂ علالت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اسی مضمون کی تلخیص "معارف" "سلیمان نمبر" میں شامل ہے ٭ [3] سید رئیس احمد جعفری مرحوم اپنے پرچہ "ریاض" (کراچی) کا سلیمان نمبر چھاپ رہے تھے۔ انہوں نے مولانا مرحوم سے مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی ٭

[4] ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ کے "سلیمان نمبر" میں مولانا مرحوم کا ۲۳ صفحات پر پھیلا ہوا تاثراتی مضمون "استاد مرحوم۔ نقوش و تاثرات" موجود ہے ٭

[5] "المسلمون" میں یہ مضمون شائع نہ ہو سکا ٭

(۳۱)

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

محبّ مکرّم جناب حکیم نصیر الدین ندوی[1] کی عنایت سے "ریاض" کا "سلیمان نمبر" نظر سے گزرا۔ خوشی ہوئی اور بے اختیار آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کو جی چاہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے۔ ہم وابستگانِ سیّد کی دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور رہیں گی۔

استاد مرحوم حضرت سید صاحب قبلہ پر ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ وہ کہ چالیس برس اپنے بزرگوں، دوستوں، ہم چشموں اور عزیزوں کی مرثیہ خوانی کرتا رہا۔ آج اس کی یاد میں جس قدر آنسو بہائے جائیں، کم ہیں۔ اس کی خدمات کے اجاگر کرنے کے لیے جتنی صحبتیں بھی ترتیب دی جائیں۔ ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس جامع و ہمہ گیر شخصیت کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرائیں۔ نہ جاننے والوں کو بتائیں کہ کیسی بیش بہا نعمت ہم سے چھن گئی۔ حق یہ ہے کہ پوری ملت اس غم میں سوگوار ہے تو بجا ہے۔

یہ سطریں آپ کے "خاص نمبر" کی رسید کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ اس وقت کوئی مضمون لکھنا مقصد نہیں۔ البتہ مجھے ندامت ضرور ہے کہ آپ کی ترتیب دی ہوئی "بزمِ سلیمانی" کی شرکت سے محروم رہا۔ انشاء اللہ زندگی رہی تو پھر کبھی یہ سعادت حاصل ہو جائے گی۔

یار زندہ صحبت باقی والسلام

نظامی دواخانہ کراچی، ۶ رجب ۷۳ھ خاکپائے سیّد: مسعود عالم ندوی

بنام خورشید احمد

(۳۲)

راولپنڈی

۲۶ جنوری ۱۹۵۴ء رفیق عزیز! سلام و تحیات

یاد آوری کا دلی شکریہ! جوابات[2] عرض ہے۔

(۱) جی ہاں! مقصد اور نصب العین کی وحدت کے باوجود مزاج اور طریق کار میں کچھ فرق ہے اور یہ مقام اور شخصیتوں کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ جیسے توحید و احیائے سنت کی تحریک نے

---

[1] مالک نظامی دواخانہ۔ فریئر روڈ۔ کراچی۔ [2] پہلا سوال تھا کہ کیا اخوان المسلمون (مصر) اور جماعت اسلامی (پاکستان) کے مقصد، مزاج اور طریق کار میں فرق ہے۔ اگر ہے تو کیا؟ دوسرا سوال: اخوان کے ابتلاء اور ان کی پالیسی سے متعلق تھا۔

نجد میں خاص رنگ اختیار کیا اور ہندوستان میں مخصوص طرز۔ مخالفین نے دونوں کو وہابیت کے نام سے یاد کیا۔ ان دونوں میں فرق حسن البناءؒ، مودودی، مصر اور ہند کا فرق ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے — یہ تو اجمالی جواب ہے۔ تفصیل خط میں نہیں آسکتی اور نہ مناسب ہے۔ اس سے غلط فہمیاں پھیل سکتی ہیں۔ انشاء اللہ مارچ کے آغاز میں کراچی آنا ہوگا اور شاید قیام بھی کچھ طویل ہوگا۔ اس وقت تفصیل سے عرض کروں گا (بشرطیکہ زندگی رہی اور کراچی آنا ہوا)

(۲) نئی صورتِ حال غیر متوقع تو بالکل نہیں۔ مگر اس کی پیچیدگیاں ابھی مجھ سے حل نہیں ہو پائیں۔ ہوائی قلعہ تعمیر کرنے کا میں قائل نہیں۔ اگر اخبار نویس ہوتا تو ایک آدھ شذرہ لکھ مارتا۔ مگر اس وقت گوشہ نشین طالب علم ہوں۔ بلا سوچے سمجھے لکھنے سے طبیعت گھبراتی ہے۔ اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ آجکل یا ہفتہ عشرہ بعد گتھیاں سلجھ گئیں یا مزید خبریں آئیں تو ایک مختصر مضمون حاضر کروں گا۔ جو "فاران[1]" اور "اسٹوڈنٹس[2] وائس" دونوں میں شائع ہوگا۔

صالح عشماوی اور محمد الغزالی کے اخراج کے بعد جو ہوئی ہیں[3]۔ ان کی شاید آپ لوگوں کو خبر نہیں۔ ان دونوں صاحبوں نے موجودہ "مکتب[4] ارشاد" اور خاص طور پر "مرشد" کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی تھی۔ وہ حد درجہ تکلیف دہ تھی اور اس سے فریقین کی وقعت میری نگاہ میں کم ہوگئی۔ وہ تو "الدعوۃ[5]" بند ہوگیا ہوگا ورنہ ابھی یہ سلسلہ جاری رہتا اور اگر صالح صاحب رہا ہو گئے ہوں اور "الدعوۃ" جاری ہو تو بھی اس سلسلے کے بند ہونے کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے ۵ جنوری کے "الدعوۃ" میں لکھا ہے "جب تک وہ (یعنی ہضیبی صاحب[6]) ٹھیک نہ ہو جائیں یہ سلسلہ جاری رہے گا۔"

— باقی وقتِ ملاقات

(۳) ۔ میرا ایک مقالہ (دنیائے اسلام کی اسلامی تحریکیں) کراچی کے اجتماع[7] میں پڑھا گیا

---

[1] ماہنامہ فاران، مولانا ماہر القادری کے زیرِ ادارت چھپتا ہے۔ مولانا مرحوم اکثر اس پرچے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ [2] پروفیسر خورشید احمد (مکتوب الیہ) کے زیرِ ادارت شائع ہونے والا پرچہ۔ [3] اشارہ "اخوان" کے راہنماؤں کی گرفتاری اور پانچ چوٹی کے افراد کو جمال ناصر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے کے الزام میں پھانسی کی سزا کی طرف ہے۔ [4] "اخوان المسلمون" کی مجلسِ شوریٰ۔ [5] "اخوان المسلمون" کا ہفت روزہ آرگن — استاد صالح عشماوی کے زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔ [6] مرشدِ عام اخوان المسلمون (مصر)۔ [7] اجتماع منعقدہ ۱۰ تا ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء۔

تھا۔ اُس کا ابھی دنوں ملک سعید صاحب نے ترجمہ بھی کر لیا تھا۔ مگر اس پر نظرِ ثانی یا اشاعت کی نوبت نہ آئی۔ چند مہینے ہوئے میں نے یہ مسودہ ظفر اسحاق صاحب کے پاس بھیج دیا تھا کہ وہ اس کی تنقیح کر کے "سٹوڈنٹس وائس" میں چھاپ دیں۔ اُن سے پوچھیئے کہ اُنہوں نے کیا کیا؟ اس میں اخوان کا ذکر بھی ہے اور خاصے مؤثر انداز میں۔ اگر آپ پسند کریں تو اس مقالے کا ترجمہ کر دیں یا ملک سعید صاحب کے ترجمہ پر نظرِ ثانی کر کے شائع کر لیں — امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ خرم جاہ صاحب، ظفر اسحاق صاحب اور دوسرے احباب و اصحاب کی خدمت میں سلام مسنون۔ ہمارے رفقاء سلام کہتے ہیں۔

والسلام

نیاز مند : مسعود عالم ندوی

بنام محمد عاصم الحداد

(۳۳)

کراچی جمعہ
(۳ مارچ ۲۵ھ)

برادرم!

سلام مسنون

توقع ہے کہ اب تم بخیر و عافیت واپس آ گئے ہو گے۔ میرا سفر تو اچھی طرح کٹا مگر یہاں کی آب و ہوا آجکل بہت خراب ہے۔ وہ دسمبر کی بات نہیں رہی۔ تمہیدی کام تو غالباً آسانی سے اور جلد ہو جائے گا۔ ہفتہ عشرہ میں پتہ چلے گا۔ ۱۵ سے شوریٰ ہے اور شاید ۲۰، ۲۱ تک جائے۔ اسی میں "فیصلہ" ہو گا۔ اگر فیصلہ فوری طور پر عدمِ سفر کے حق میں ہوا[1] تب تو ...... لے کر فوراً واپس آ جاؤں گا۔ البتہ اگر سفر کے حق میں ہوا جیسا کہ رجحان ہے، تو پھر اب تک کچھ طے نہیں کر سکا ہوں۔ افضل صاحب[2] کا ایک مہینہ یہاں انتظار کروں یا بہاولپور یا پنڈی ہی چلا آؤں۔ ہر شکل میں کچھ نہ کچھ پریشانی ہے۔ یہاں سب سے بڑی تکلیف آب و ہوا کی ہے۔ بہر حال آئندہ جمعہ پھر لکھوں گا۔

تم اپنی مفصل روداد لکھو۔ خاص کر یہ بتاؤ کہ کیا کیا لا سکے ہو تاکہ سفر کی صورت میں جو کمی ہو اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ پوری فہرست مع حساب کے بھیج دو تو اچھا ہے۔ دمشق سے جواب آ گیا ہے۔ جواب کل ابوالخیر عرقسوسی کی معرفت بھیج رہا ہوں۔

---

[1] مولانا مرحوم کے سفرِ مصر و شام کے لیے مرکزی شوریٰ غور و فکر کر رہی تھی۔

[2] مولانا مرحوم کے ایک شاگرد اور رفیق دار العروبہ۔

وہ کل جا رہے ہیں۔ اب تم عام طور پر جواب لکھ کر ہفتہ وار ڈاک پر بھیج دیا کرو۔ پیر کا دن مقرر کر لو میں جمعہ کے دن لکھا کروں گا۔

امید ہے دُلہن[1] سلّمہا اچھی ہوں گی۔ بیٹی بھی اچھی ہو گی انشاء اللہ۔ اسے "بڑے ابا جان" کی دعا بھیج دینا۔

پتوں اور مسوّدات کا چارٹ کاظم صاحب کے پاس رہ گیا ہے۔ بھیجنے کے لیے لکھا ہے۔ والسلام عاجز : مسعود عالم ندوی

بنام فضل معبود قریشی

(۳۴)

دار العروبہ للدعوۃ الاسلامیہ
راولپنڈی (پاکستان)
۴ / ۵ / ۷۴ھ

محترمی و مکرّمی
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

چند دن پہلے آپ کا گرامی نامہ موصول ہُوا اور کل آپ کے ارسال کردہ "اسلام اور احمدیّت"[2] کے تین نسخے (انگریزی اور اردو) موصول ہوئے۔ ہمیں اس پمفلٹ کی زیادہ تعداد مطلوب تھی۔ اس لیے یہ تینوں نسخے دار العروبہ میں رکھ لیے۔ اگر زائد تعداد میں یہ پمفلٹ مل گیا تو انشاء اللہ مصر بھیج دیں گے۔

والسلام عاجز : مسعود عالم ندوی

---

[1] اہلیہ مکتوب الیہ۔ [2] آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں مرزا بشیر الدین محمود قادیانی کی سرگرمیوں سے عام مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ مولانا ظفر علی خاں اور مجلس احرار نے مسلمانوں کے جذبات کا اظہار کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر اقبال نے قادیانی مسئلے پر ایک مضمون لکھا اور دلائل و شواہد سے بتایا کہ قادیانی امّت مسلمہ سے الگ ہیں اور اس گروہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا چاہیئے۔ ڈاکٹر اقبال کے مضامین اخبار States man میں شائع ہوئے تو پنڈت نہرو نے "ماڈرن ریویو" (کلکتہ) میں "مسلمان اور احمدیت" کے عنوان سے تین مضامین گھسیٹ ڈالے۔ پنڈت نہرو کے مضامین میں اصل مسئلے کی نوعیت سے بے خبری اور جہالت فقرے فقرے سے ٹپکتی تھی مگر وہ تو قادیانیوں کی وکالت کے موڈ میں تھے۔ ڈاکٹر اقبال نے پنڈت نہرو کے جواب میں ایک تفصیلی مضمون لکھا اور فلسفیانہ تجزیہ کر کے فاضلانہ انداز میں پنڈت نہرو کے ایک ایک فقرے کا جواب دیا۔ اس کے بعد پنڈت جی خاموش ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر اقبال کا آخری مضمون "اسلام اور احمدیت" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع ہُوا۔ یہی کتابچہ مکتوب نگار کو ارسال کیا گیا تھا۔

مکتوب الیہم

- محمد ناظم ندوی
- ابوالحسن علی ندوی
- سید سلیمان ندوی رح
- سید الطاف علی بریلوی
- وحید قیصر ندوی
- حکیم محمد نصیر الدین ندوی
- ضیاء محمد ضیاء
- حکیم محمد شمس الدین
- محمد نصر اللہ خاں
- ظ۔ انصاری
- محمد حسنین سید
- عبدالماجد دریا بادی
- رئیس احمد جعفری
- خورشید احمد
- عاصم الحداد
- فضل معبود قریشی

محمد ناظم ندوی

مولانا محمد ناظم ندوی کا ابتدائی وطن اور مولد صوبہ بہار ہے۔ آجکل درخشاں سوسائٹی کراچی میں رہتے ہیں۔ تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں پائی اور امتیاز کے ساتھ فاضل کا آخری امتحان پاس کیا۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے پرنسپل رہے۔ بعد ازاں مدینہ یونیورسٹی میں پروفیسر رہے۔ آج کل ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علوم اسلامیہ کے فاضل ہونے کے علاوہ عربی زبان کے بڑے نامی ادیب ہیں۔ متعدد کتابوں کے اردو سے عربی میں ترجمے کیے ہیں۔ ادارہ معارفِ اسلامی کراچی کے رُکن ہیں ؛

ابو الحسن علی ندوی

مولانا ابو الحسن علی ندوی خانوادۂ سید احمد شہیدؒ کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے والد حکیم عبدالحی صاحب مؤلف "گلِ رعنا" (اردو شعراء کا تذکرہ) اور "نزہت الخواطر" کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا علی میاں محرم الحرام ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی نے تعلیم و تربیت کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ اس زمانے میں مولانا مسعود عالمؒ دار العلوم کی آخری جماعت میں تھے۔ ان سے رابطہ پیدا کیا اور دونوں دوستوں نے عربی ادب و انشاء میں کمال حاصل کیا۔ مولانا مسعود عالم کے "الضیاء" کے مضمون نگاروں میں سے ایک علی میاں بھی تھے۔

ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہو کر مولانا علی میاں دار العلوم دیوبند گئے جہاں چند ماہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں رہے اور پھر لاہور میں مولانا احمد علیؒ کے درسِ قرآن پاک سے استفادہ کیا۔ ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء میں معلّم کی حیثیت سے تقرر ہوا اور ایک عرصہ تک تفسیر، حدیث اور ادب کی تدریس کی۔

ابو الحسن علی ندوی بلند پایہ مصنّف ہیں۔ موصوف کو عربی اور اردو پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ ان کی کتابوں میں سیرت سید احمد شہیدؒ (حصہ اول و دوم)، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، تاریخ دعوت و عزیمت (سہ جلد)، قادیانیت (مطالعہ و جائزہ)، مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کش مکش"، مذہب و تمدن، معرکہ ایمان و مادیت اور سوانح مولانا

عبدالقادر رائے پوری ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو کر عالمِ اسلام کے علمی حلقوں سے خراجِ تحسین پا چکی ہیں۔

سید سلیمان ندوی

سیّد صاحب ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء میں قصبہ دیسنہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ پھلواری اور دربھنگہ میں چندے تعلیم پانے کے بعد ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر ندوہ ہی میں مُدرّس ہو گئے اور پھر پونہ کالج میں پروفیسر رہے۔ "الندوہ" اور "الہلال" کلکتہ کے ادارۂ تحریر میں شامل رہے۔ علامہ شبلیؒ کے خاص تربیت یافتہ اور ان کے علمی جانشین تھے۔ ان کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ دار المصنفین اعظم گڑھ کی تعمیر و ترقی سیّد صاحب کی شب و روز محنت اور لگن کی مرہونِ منت ہے۔ سیرت النبیؐ مکمل کی۔ سیّد صاحب ۱۹۲۰ء میں وفدِ خلافت میں شامل ہو کر یورپ گئے۔ ۱۹۲۴ء میں وفدِ حجاز کے امیر کی حیثیت سے حجاز اور ۱۹۳۳ء میں علّامہ اقبالؒ اور سر راس مسعود کے ساتھ افغانستان کا سفر کیا۔

سیّد صاحب اچھے شاعر، بے نظیر عالمِ دین اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی علمی، ادبی اور سیاسی و ملّی خدمات مُسلّم ہیں۔ بے شمار مضامین کے علاوہ سیرت النبیؐ (ج ۳-۴) ارض القرآن، حیاتِ امام مالکؒ، سیرتِ عائشہؓ، خیّام، نقشِ سلیمانی اور متعدد خطبات و تقاریر اُن کی یادگاریں ہیں۔

تقسیمِ ملک کے بعد ۱۹۵۰ء میں پاکستان آ گئے اور تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ (حکومتِ پاکستان) سے منسلک ہو گئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں جان، جاں آفریں کے سپرد کی۔

سیّد الطاف علی بریلوی

سید الطاف علی بریلوی صاحب ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم پائی۔ کئی بلند پایہ کتابوں کے مصنّف ہیں۔ "حیات حافظ رحمت خاں" اہلِ علم و تحقیق سے خراجِ تحسین پا چکی ہے۔ "مصنّف" علی گڑھ اُن ہی کی زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں اُن کی کوششوں سے

"آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس" کی بنیاد رکھی گئی۔ آجکل کانفرنس کے سیکرٹری اور سہ ماہی رسالہ "العلم" کے مدیر اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

وحید قیصر ندوی

وحید قیصر ندوی، گیا (صوبہ بہار) میں دسمبر ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا خواجہ الطاف حسین حالی رحمۃ کے چچا زاد بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے جہاں ۳۷ء سے ۱۹۴۵ء تک مقیم رہ کر عربی اور فارسی کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپس جا کر مسلم لیگ کے لیے کام کیا۔ مسلم لیگ رانچی کے اسسٹنٹ سیکریٹری رہے بعد ازاں اپنے استاد سید سلیمان ندوی کے حکم پر دار المصنفین اعظم گڑھ سے منسلک ہو گئے اور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک "رفیق" کی حیثیت سے کام کیا اور تقسیم ہند کے بعد ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں مقیم ہوئے۔ ڈھاکہ ہی میں وفات پائی۔

دار المصنفین کے قیام میں وحید قیصر ندوی نے "معارف" کے لیے کئی ایک علمی و تحقیقی مضامین لکھے اور سید سلیمان ندوی کی تالیف "الجغرافیہ عند العرب" کا اردو ترجمہ کیا۔ علمی و ادبی رسائل میں ان کے درجنوں مضامین شائع ہوتے ہیں۔

حکیم محمد نصیر الدین ندوی

حکیم محمد نصیر الدین ندوی کا آبائی وطن اور مولد اجمیر شریف ہے۔ ان دنوں شمالی ناظم آباد کراچی میں سکونت رکھتے ہیں۔ تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں پائی۔ اس کے بعد طبیہ کالج دہلی سے کامل الطب والجراحت کے اعلیٰ امتحانات پاس کیے۔ بڑے ماہر طبیب ہیں۔ ان کا مطب، نظامی دواخانہ، فریئر روڈ کافی مشہور ہے۔ علاج معالجہ کا تجربہ اپنے والد بزرگوار شفاء الملک حکیم نظام الدین مرحوم کی خدمت میں حاصل کیا جو اپنے زمانے میں ماہر ترین اطباء میں شمار ہوتے تھے۔

حکیم صاحب نہایت عمدہ علمی و ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے گہرے دوست تھے اور کراچی میں مولانا مرحوم اکثر ان کے ہاں قیام کرتے تھے۔

ضیاءؔ محمد ضیاءؔ

ضیاء محمد نام اور ضیاؔ تخلص ہے۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ والدین کے دینی ذوق نے دینی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ۱۹۴۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور شعبۂ تدریس سے منسلک ہو گئے۔ آج کل گورنمنٹ ہائی سکول پسرور میں فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں۔

ضیاءؔ صاحب اردو اور فارسی کے نہایت اچھے شاعر ہیں۔ اُن کی متعدد فارسی نگارشات نظم و نثر ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان کے مجلّہ "ہلال" میں شائع ہوئی ہیں۔ فارسی منظومات ایران کے نمایاں جرائد و رسائل میں گاہے ماہے چھپتی رہتی ہیں۔ فارسی نعتوں کا ایک مجموعہ — "ارمغانِ عشق" — کے نام سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ فارسی نظموں اور غزلوں کا انتخاب "نوائے شوق" زیرِ طبع ہے۔

حکیم محمد شمس الدین

حکیم صاحب موضع بھوئی گاڑ (ضلع کیمبل پور) کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ بھوئی گاڑ میں ۵ رجب ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مختلف دینی مدارس میں حاصل کی اور جب جماعت اسلامی پاکستان نے مولانا مسعود عالمؒ کے زیرِ نگرانی "دار العروبہ" کی بنیاد رکھی تو چند دوسرے دوستوں کے ساتھ مولانا حکیم شمس الدین کو بھی اُن سے استفادہ کا موقع ملا۔ بعض مجبوریوں کی بنا پر اس تعلق کو قائم نہ رکھ سکے اور آبائی گاؤں کے قریب ٹیکسلا میں ایک دینی اشاعتی ادارہ "دار الاشاعت والتبلیغ" کے نام سے قائم کیا۔ اور طبابت کو ذریعۂ معاش کے طور پر اپنایا۔ اس زمانے میں ملک کی معروف تبلیغی جماعت سے منسلک ہوئے۔ عرب ممالک کا دورہ بسلسلۂ تبلیغ کیا۔ آج کل حسن ابدال (ضلع کیمبل پور) میں مدرسۂ اشرفیہ کے صدر مدرّس ہیں۔

حکیم صاحب نے عیسائیت کی تردید میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے کتابچے لکھے ہیں اور نومسلم عبداللہ الترجمان کی کتاب کا ترجمہ "آئینۂ عیسائیت" کے نام سے کیا ہے۔

محمد نصر اللہ خاں

محمد نصر اللہ خاں ۱۹۲۶ء میں یوگنڈا (افریقہ) میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد مولانا رحمت علی خاں سامی مرحوم بغرضِ تبلیغ و اشاعت اسلام مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت موضع سیکریالی (ضلع گجرات) اور گجرات شہر میں ہوئی۔ دینی و عربی تعلیم والد ماجد مولانا سامی رح سے حاصل کی۔ والد صاحب ہی کے ذریعے تحریکِ اسلامی سے تعارف ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں جماعتِ اسلامی کے رکن بنے اور آج تک اسی حیثیت میں اسلامی نظام کے احیاء کے لیے کوشاں ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے وقت مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان کے ناظم تھے۔ بعد میں سروس انڈسٹریز لمیٹڈ گجرات میں ملازمت اختیار کر لی۔

گاہے گاہے دینی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ آجکل سیّد قطب شہیدؒ کی کتاب "مشاهد القيامة فی القرآن" کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔

طٰہٰ یٰسین

طٰہٰ یٰس مرحوم، مولانا مسعود عالم مرحوم کے عزیز شاگردوں میں سے تھے۔ ان ہی کے زیرِ نگرانی عربی اردو ترجمہ میں مہارت حاصل کی۔ دار العروبہ کے زیرِ اہتمام حسن البناء۔ مرشد عام اخوان المسلمون کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ کیا۔ نہایت اعلیٰ ادبی و علمی ذوق رکھتے تھے اور ان سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں مگر جوانی میں انتقال کر گئے۔

محمد حسنین سیّد

محمد حسنین سیّد، مولانا مسعود عالمؒ کے ہم وطن ہیں اور جماعت اسلامی ہند سے منسلک۔

عبد الماجد دریا بادی

عبد الماجد دریا بادی، بارہ بنکی (متصل لکھنؤ) میں مارچ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں ہائی سکول سیتا پور سے میٹرک کیا۔ چار سال بعد کیننگ کالج لکھنؤ سے بی اے کی ڈگری لی فلسفہ سے گہری دلچسپی تھی اس لیے فلسفہ میں ایم اے کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ

ا؎ مشاهد القيامة فی القرآن از سید قطب شہیدؒ کا اردو ترجمہ "مناظر قیامت، قرآن کی زبان میں" مکتبہ ظفر گجرات عنقریب شائع کر رہا ہے۔

لیا مگر شومیٔ قسمت سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ ۱۹۱۷ء کے بعد کچھ عرصہ دارالترجمہ
حیدرآباد سے منسلک رہے۔ "سیرت النبیؐ" کی تالیف میں مولانا شبلیؒ کے معاون کے طور
پر کام کیا۔

طالب علمی کے زمانے سے مضمون نویسی شروع کی۔ ۱۹۱۳ء میں پہلی کتاب "فلسفۂ جذبات"
شائع ہوئی۔ دوسری کتاب "فلسفۂ اجتماع" تھا جو اُن کے بقول ہر اعتبار سے لغو تھی اور اس
کا ایک ایک صفحہ الحاد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا دریابادی فلسفہ زدہ بلکہ
مُلحِد تھے۔ دس سال تک یہی حال رہا۔ ۱۹۲۱ء میں از سرِ نو مسلمان ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں
مولانا تھانویؒ سے رابطہ قائم ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں انگریزی ترجمۂ قرآن شروع کیا اور چھ سال
میں اس کام سے فارغ ہوئے۔ ساتھ ہی اردو ترجمہ و تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) تالیف کی۔
مدت سے "صدق" لکھنؤ سے نکال رہے ہیں۔ "صدق" سے پیشتر "سچ" کے مُدیر تھے۔
اُن کی چند ایک کُتب یہ ہیں۔ حکیم الاُمت (نقوش و تاثرات) محمد علی (ذاتی ڈائری)، مکتوباتِ
سلیمانی، مبادی فلسفہ (حصہ اول و دوم) انشائے ماجد اور تصوفِ اسلام۔

رئیس احمد جعفری

رئیس احمد جعفری دسمبر ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے نانا ریاض خیرآبادی اُردو
کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ ملّیہ دہلی میں اعلیٰ تعلیم
پائی۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک روزنامہ "خلافت" بمبئی کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۴۳ء
تک "ہندوستان" بمبئی کی ادارت کی اور ۱۹۴۳ء سے تقسیمِ ملک تک روزنامہ "انقلاب" بمبئی
کے مُدیر رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ روزنامہ "خورشید" (کراچی) کی ادارتی
ذمہ داریاں سنبھالیں۔ کچھ عرصہ "زمیندار" لاہور میں کام کیا۔ ۱۹۵۲ء میں کراچی سے علمی و ادبی ماہنامہ
"ریاض" جاری کیا۔ بعد ازاں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ کئی ایک مفید
کتابوں کے مصنف اور بیسیوں کے مرتب و مترجم ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:
"دید و شنید"، بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، سیرتِ آئمہ اربعہ، آزادیٔ ہند، انوارِ اولیا اور غدار
مرحوم نہایت زود نویس تھے۔ اس لیے آخری دور کی کتابوں میں سطحی معلومات ہیں۔

اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

خورشید احمد

پاکستان کے دانشوروں میں پروفیسر خورشید احمد نمایاں مقام رکھتے ہیں اُن کی اُٹھان اسلامی جمعیت طلبہ سے ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں جمعیت سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء دو سال جمعیت کے ناظمِ اعلیٰ رہے۔ طالب علمی کے زمانے میں طلبہ کا پہلا جریدہ —— Student's Voice ان کی ادارت میں چھپتا تھا۔

گورنمنٹ کامرس کالج کراچی سے بی اے کیا۔ بعدازاں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) ایم اے (معاشیات) اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آجکل پی ایچ ڈی کے لیے لندن میں مقیم ہیں۔ کراچی یونیورسٹی میں معاشیات کے استاد تھے اور جماعت اسلامی کی شوریٰ کے رُکن۔ ۱۹۶۴ء میں جماعت کے دوسرے راہنماؤں کے ساتھ جیل گئے اور جیل کی یادیں "تذکرۂ زنداں" کے نام سے محفوظ ہیں۔ چراغِ راہ، اقبال ریویو Voice of Islam اور Criterion جیسے علمی و ادبی پرچوں کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ چراغِ راہ کی خصوصی اشاعتوں نے علم و ادب کی ٹھوس خدمات انجام دی ہیں۔ کراچی یونیورسٹی میں بی اے کے نصاب میں شامل کتاب —— "اسلامی نظریۂ حیات" —— اُن کی مُرتّبہ ہے۔ اس کے علاوہ کئی دوسری ٹھوس کتابوں کے مؤلف اور سید مودودی کی اکثر کتابوں کے انگریزی مترجم اور مرتب ہیں۔

محمد عاصم الحداد

محمد عاصم الحداد مالیر کوٹلہ کے رہنے والے تھے۔ آجکل گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں مولانا مسعود عالم مرحوم کے عزیز ترین شاگرد اور دارالعروبہ کے اہم رکن تھے۔ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد دارالعروبہ کے ناظم بنے۔ کئی کتابوں کے مرتّب و مؤلف ہیں۔ ان دنوں رابطہ عالمِ اسلامی مکّہ مکرّمہ سے منسلک ہیں۔ اُن کی تالیفات میں "فقہ السنۃ" اور مولانا مودودی کا سفرنامہ ارض القرآن زیادہ معروف ہیں۔

مولانا فضل معبود قریشی

مولانا فضل معبود قریشی ضلع مردان کے رہنے والے ہیں لیکن کافی عرصے سے پشاور میں سکونت پذیر ہیں۔ پہلے محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ اجتماع الہ آباد ۱۹۴۶ء کے بعد جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے۔ اب مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں جماعت کے دوسرے رفقاء کے ساتھ جیل گئے۔ کچھ عرصہ روزنامہ "انجام" پشاور سے منسلک رہے۔ ان دنوں مرکزی اردو بورڈ پشاور (شاخ) کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ اردو اور پشتو کے اچھے ادیب ہیں۔ پشتو شاعری پر عبور رکھتے ہیں اور مشہور پشتو شعراء کے اشعار بہت بڑی تعداد میں یاد ہیں۔

اشاریئے ○ اعلام ○ اماکن ○ ادارے ○ کُتُب

اِعلام

اماکن

ادارے

رسائل و کتب

مکتبہ ظفر، گجرات
محلہ فیض آباد۔

فہرست کتب
۱۹۷۴ء

ہماری دوسری کتابیں

روشنی کے مینار

از حافظ محمد ادریس ایم اے
دیباچہ: ظفر جمال بلوچ

روپے پیسے
۹-۰۰

اس کتاب میں بیس (۲۰) صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔ یہ کتاب ہر بوڑھے، نوجوان اور بچے کے لیے یکساں مفید ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تحریکِ اسلامی کے ابتدائی کارکنوں کی زندگیوں سے روشنی حاصل کر کے اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو منور کر سکتا ہے۔ کتابت طباعت آفسیٹ۔ خوبصورت ٹائٹل

سیر الصحابیات

از مولانا محمد سعید انصاری ۶-۰۰

اس کتاب میں مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ۔ بناتِ طاہراتؓ اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح زندگی اور ان کے علمی، مذہبی اور اخلاقی کارناموں کی تفصیل درج ہے۔
(یہ کتاب لڑکیوں کو جہیز میں دینے کیلئے بہترین تحفہ ہے) کتابت طباعت آفسیٹ خوبصورت ٹائٹل

دو عیدیں (عید الفطر، عید الاضحیٰ) مضامین مولانا ابوالکلام آزادؒ ۱۹-۲

اس کتاب میں مسلمانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ عیدین محض رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ اسلامی اصولوں کی ترویج اور بالادستی کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔ مولانا نے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ عیدین کی حقیقی روح کو سمجھیں اور اسلامی اصولوں پر عمل کر کے دین و دنیا میں فلاح حاصل کریں۔

میلاد النبیؐ (ولادت نبویؐ پر مضامین) مولانا ابوالکلام آزادؒ ۸۷-۱

ولادت نبویؐ پر یہ مضامین اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتے ہیں کہ کسی اور کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور قاری معارف دینی کے چھینٹوں سے کشت قلب کو سیر کرتا ہے

فضائل رمضان المبارک و لیلۃ القدر (مضامین مولانا آزادؒ) ۲۵-۱

اس کتاب میں مندرجہ موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ مولانا کی ندرت انشا سے دینی اور علمی حلقے پوری طرح واقف ہیں۔ اور کتاب کی اہمیت کے بارے میں مولانا کا نام ہی کافی ہے

تعارفِ قرآنی ایم عبدالرحمٰن خاں ملتان ۷۵-۳

حسین احمد مدنیؒ (ایک شخصیت۔ ایک مطالعہ) ادارہ تصنیف و تالیف ۶۳-۵

قصیدہ لعتیہ جنّ از عمرو الجنیؒ (ترجمہ مولانا رحمت علی خاں سامیؒ) ۸۷-۱

رسالہ بوہل نماز (پنجابی دی پرانی کتاب) حافظ برخوردارؒ ۵۰-۳

گجرات لعہد قدیم و جدید پروفیسر احمد حسین احمد ۸۷-۱

اقبالؒ قائد اعظم اور اسلامی سوشلزم فاتک عزیز احمد ۴۷-۰

آسان اردو قاعدہ ابوظفر ۳۱-۰

قرآنی قطعات (چار رنگوں میں) فی قطعہ ۳۷-۰

مناظر قیامت (قرآن کی زبان میں) (سید قطب شہیدؒ مصری) زیر طبع

تذکرہ اولیائے گجرات پروفیسر احمد حسین ״

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی سید منظر زیدی ״

پاکستان کے نامور فرزند ״

شہید اعظمؓ (شہادت حسینؓ) مولانا آزاد ״

مولانا حسین احمد مدنیؒ ادارہ تصنیف و تالیف

مولانا مدنیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نادرِ روزگار شخصیت تھے۔ جن کے اولوں نے ہماری نگاہوں کے ہاتھ میں علم و آگہی کی مشعلیں دے کر ایک طرف اسلافِ کرام کے عہدِ مسعود کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ کرایا دوسری طرف آئندہ منزلوں کے سنگ ہائے میل موقع بہ موقع نصب فرمائے ان کی تفصیل آپ کو کتاب کے مطالعہ سے ملے گی۔ مرتبین نے مختلف عنوانات کے تحت مولانا کی زندگی اور شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ مولانا کے بارے میں برصغیر کے مختلف مکاتیب فکر کے نامور علمائے کے مضامین اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ قیمت

دو عیدیں مضامین مولانا ابوالکلام آزادؒ

ان مضامین میں مولانا نے مسلمانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ عیدیں محض رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ اسلامی اصولوں کی ترویج اور بالادستی کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ عیدین کی حقیقی روح کو سمجھیں۔ اور اسلامی اصولوں پر عمل کر کے دین و دنیا میں فلاح حاصل کریں۔

گجرات بعہدِ قدیم و جدید

از پروفیسر احمد حسین احمد قلعہ داری
ایم اے اردو، ایم اے فارسی، ایم اے عربی

اس کتاب میں حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک مکمل حالات درج ہیں۔ سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ علماء، صوفیاء، شعراء اور اربابِ ہنر و فن کا مکمل تذکرہ موجود ہے۔ اربابِ تحقیق کے لیے نادر و نایاب نسخہ ہے۔ قیمت

آسان اردو قاعدہ از ابوظفر

اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور اسلامی سوشلزم از فاتک عزیز احمد

پتہ مکتبہ ظفر ناشر قرآنی قطعات گجرات، محلہ فیض آباد، سرگودھا روڈ

ہماری دُوسری کتابیں

تعارفِ قُرآنی
از ایم عبدالرحمٰن خاں ملتان مجلد

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قرآن پاک کا خود قرآن حکیم ہی کی زبانی تعارف کرایا گیا ہے اور مختصر عنوانات کے تحت تقریباً ان تمام آیات کو مع ترجمہ جمع کر دیا گیا ہے جن سے قرآن کے نام، کام اور پیغام پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ اپنے اسلوب کی واحد کتاب ہے۔ عمدہ کتابت، نفیس طباعت۔ خوبصورت گرد پیش۔ ضخامت ۱۸۴ صفحات۔

میلاد النبیؐ
مولانا ابوالکلام آزادؒ

فضائلِ رمضانُ المبارک و لیلۃُ القدر
"

یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا آزادؒ کے قلمِ معجز رقم کی رہینِ منت ہیں۔ مولانا نے میلاد النبیؐ اور فضائلِ صوم و لیلۃ القدر جیسے مبارک موضوعات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ قاری رقت و تاثیر میں ڈوب جائے۔ یہ مضامین اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتے ہیں کہ کسی اور کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ دونوں کتابیں سفید کاغذ پر خوب صورت رنگین بیل کے ساتھ بطریقِ آفسٹ چھاپی گئی ہیں۔ ٹائیٹل دیدہ زیب ہیں۔

قصیدۂ نعتیۂ جن
از عمرو الجنی
شرح عربی و اردو از مولانا رحمت علی خاں سامیؒ

یہ نعت ایک جن نے لکھی ہے جو انہوں نے آنحضورؐ کی شانِ اقدس میں زیبِ قلم کی ہے دُرِ نایاب ہے۔

کتابت خوبصورت۔ طباعت آفسٹ۔ خوبصورت بیل۔ ٹائیٹل دیدہ زیب

قُرآنی قطعات
برائے اصلاحِ معاشرہ ۔ آرٹ پیپر پر خوبصورت بیل کے ساتھ چار رنگوں میں

پتہ: مکتبۂ ظفر ناشر قُرآنی قطعات۔ گجرات۔ محلہ فیض آباد۔ سرگودھا